نومبر ۲۰۰۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

عرض احوال

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

ملکی سلامتی کے تقاضے اور علماء کا موقف

موجودہ حالات میں وطن عزیز کو تباہی کے گڑھے سے بچانے کے لیے تمام مسلّمہ مکاتب فکر کے علماء کرام نے جو متفقہ موقف اختیار کیا ہے وہ یقیناً خوش آئند ہے۔ ارکانِ پارلیمنٹ اور ذمہ دارانِ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ علماء کی ان تجاویز پر فی الفور عمل کریں۔ قوم کے مختلف طبقات کے مابین غلط فہمیوں اور نفرتوں کے بیج بونا اور عوام اور فوج کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی کرنا اغیار کی سازش کا حصہ ہے۔ ۱۹۷۱ء کی طرح آج بھی پوری قوم اس عظیم آزمائش سے گزر رہی ہے کہ ایک مرتبہ پھر افواجِ پاکستان شمال مغربی قبائلی علاقہ جات اور صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں اپنی ہی قوم سے حالت جنگ میں ہیں۔ یہود و نصاریٰ اپنے مفادات کے حصول کی راہ میں ایٹمی پاکستان کو سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں' لہٰذا وہ ہمارے ایٹمی اثاثوں پر قبضہ کرنے یا انہیں تباہ و برباد کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ دراصل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہے۔ لہٰذا حکومت پاکستان کو چاہیے کہ غیر ملکی طاقتوں کی اطاعت اور فرمانبرداری کا رویہ ختم کر کے سوات اور دوسرے علاقوں میں بمباری اور اندھا دھند فوجی کارروائیاں فوری طور پر بند کرے۔

علماء کرام کا یہ موقف حقیقت پر مبنی ہے کہ ان علاقوں کے عوام کی ایک عظیم اکثریت محبّ وطن اور اسلام کے وفاداروں پر مشتمل ہے۔ ان محبّ وطن عوام کے جائز مطالبات پورے کیے جائیں اور امریکہ کے مطالبات کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کی روش کو ختم کیا جائے تو یہ مسئلہ آسانی سے حل ہو جائے گا۔ ان علاقوں میں غیر ملکی دشمن ایجنٹ طالبان کا روپ دھار کر حالات کو خراب کرنے میں مصروف ہیں اور فوج اور حکومت کے خلاف کارروائیاں کر رہے ہیں تاکہ طالبان کو بدنام کیا جا سکے۔ ہمارے حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ ایسے غیر ملکی ایجنٹوں کو بے نقاب کریں اور انہیں عبرتناک سزائیں دیں۔ حکومت اگر عوام اور اسلام کے ساتھ مخلص ہے تو کرپشن اور بے حیائی کے خاتمے کے لیے ٹھوس اقدامات کرے اور مسرفانہ طرزِ زندگی کو ختم کر کے سادگی کو فروغ دے۔ اس سے آنے والے خوفناک معاشی بحران کا بہتر طور پر مقابلہ کیا جا سکے گا۔ مزید برآں اسلام کے نام پر قائم ہونے والے اس ملک میں شریعت اسلامی کے نفاذ اور قرآن وسنت کی مکمل بالادستی کے ذریعے ہی ان خطرات کا منہ موڑا جا سکے گا جو فی الوقت ملکی بقا و سالمیت کو شدید طور پر لاحق ہیں۔ ○○

*

1

تذکرہ و تبصرہ

اسلام پر دجالیت کا تازہ حملہ

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ایک فکر انگیز خطاب

بمقام: قرآن آڈیٹوریم لاہور (۷ مئی ۲۰۰۶ء)

نحمدہٗ ونصلی علٰی رَسولہِ الکریم

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۱۵۱﴾﴾ (النساء)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم :

((بَدَأَ الۡاِسۡلَامُ غَرِیۡبًا وَسَیَعُوۡدُ کَمَا بَدَأَ غَرِیۡبًا ، فَطُوۡبٰی لِلۡغُرَبَاءِ))

(رواہ مسلم والترمذی وابن ماجہ واحمد والدارمی رحمھم اللّٰہ)

احادیث نبویہؐ میں ''دجالِ اکبر'' کے عنوان سے جس معین شخصیت کا ذکر ہے اس کا تو ابھی ظہور نہیں ہوا' اگرچہ یہ اب زیادہ دُور بھی معلوم نہیں ہوتا' لیکن انگریزی میں کہا جاتا ہے کہ: Coming events cast their shadows before یعنی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے سائے پہلے سے پڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت اس بات سے بحث نہیں ہے کہ دجالِ اکبر کب ظاہر ہو گا' کس شکل میں آئے گا' کہاں سے آئے گا؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دجالیت یعنی فتنۂ دجال کئی صدیوں سے نہ صرف شروع ہو چکا ہے' بلکہ اس کے سائے رفتہ رفتہ تدریجاً گہرے سے گہرے ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اب یہ فتنہ میرے نزدیک اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو گیا ہے۔

کفر اور دجالیت کی ایک اہم صورت: تفریق بین اللہ والرسل

دجالیت کی بہت سی صورتیں ہیں' جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ کفر کی بھی بہت سی صورتیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک کفر مشرکین کا تھا' ایک کفر اہل کتاب کا تھا اور ایک کفر منافقین کا تھا جو بظاہر مسلمان اور بباطن کافر تھے۔ اسی طرح شرک کی ہزاروں قسمیں اور ہزاروں صورتیں ہیں۔ اس پر ''حقیقت و اقسامِ شرک'' کے عنوان سے میری مفصل تقاریر موجود ہیں اور یہ سلسلۂ مضامین میثاق میں شائع بھی ہو چکا ہے ☆۔ اسی طرح دجالیت کی بھی بہت سی صورتیں' بہت سے shades اور بہت سے مراحل ہیں۔ اس کی ایک خاص صورت جو اس آخری مرحلے میں سامنے آ رہی ہے' وہ ہے ''تفریق بین اللّٰہ و الرُّسل'' یعنی اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا' کہ اللہ کو مانیں گے لیکن رسول کو نہیں مانیں گے' یا مانیں گے تو اطاعت نہیں کریں گے' اتباع نہیں کریں گے' پیروی نہیں کریں گے۔ اس کے حوالے سے سورۃ النساء کی دو آیات کی تلاوت کی گئی ہے۔ پہلے ہم ان آیات کا لفظ بلفظ مطالعہ کرتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کا کفر کرتے ہیں'' ﴿وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ﴾ ''اور چاہتے یہ ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق پیدا کر دیں'' ﴿وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّ نَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ﴾ ''اور یہ کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کو نہیں مانیں گے'' ___ بعض پیغمبروں پر ایمان رکھیں گے اور بعض کا کفر کریں گے۔ ﴿وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۵۰﴾﴾ ''اور وہ چاہتے یہ ہیں کہ اس کے بین بین ایک راستہ اختیار کریں''۔ ﴿اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا﴾ ''یہ لوگ کٹر کافر ہیں''۔ چاہے یہ ایمان باللہ کا دعویٰ کریں' چاہے اللہ کی کتاب پر ایمان کا دعویٰ کریں' لیکن اگر رسول کا انکار ہو یا رسول کی اطاعت اور اتباع کا انکار ہو تو یہ کفر ہے' جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

☆ ''حقیقت و اقسامِ شرک'' پر محترم ڈاکٹر صاحب حفظہ اللہ کے خطابات اب کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ (مرتب)

﴿وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّهِیۡنًا﴿۱۵۱﴾﴾ ''اور ایسے کافروں کے لیے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لوگوں کا ذہن عام طور پر ''تفریق بین الرسل والانبیاء'' کی طرف جاتا ہے' یعنی رسولوں میں سے بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا۔ یہ بھی یقیناً کفر ہے۔ اور یہ قرآن مجید کے مستقل مضامین میں سے ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ جن انبیاء ورُسل علیہم السلام کا ذکر قرآن میں موجود ہے ان کو تعین کے ساتھ ماننا ضروری ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار سب کا انکار ہو جائے گا۔ ان کے علاوہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ دنیا میں اور بہت سے نبی اور رسول آئے ہیں' جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے' جیسا کہ ارشاد ہوا: ﴿وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَیۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَیۡكَ﴾ (النساء:۱۶۴) ''(اے نبیؐ!) بہت سے رسول ایسے ہیں جن کا ذکر ہم نے پہلے آپ کے سامنے کیا ہے اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن کا ذکر ہم نے آپ کے سامنے نہیں کیا''۔ لیکن اجمالاً ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ تفریق بین الرسل کے مضمون کے لیے قرآن حکیم کے دو مقامات کا حوالہ پیش کر رہا ہوں۔ سورۃ البقرۃ کے سولہویں رکوع میں فرمایا گیا:

﴿قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَعِیۡسٰی وَمَاۤ اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡۚ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ۫ۖ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ﴿۱۳۶﴾﴾

''(اے مسلمانو!) کہو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر' اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اُس پر بھی جو (ہم سے پہلے) نازل کیا گیا ابراہیمؑ' اسمٰعیلؑ' اسحاقؑ' یعقوبؑ اور اولادِ یعقوب پر' اور جو کچھ دیا گیا موسٰیؑ اور عیسٰیؑ اور تمام نبیوں کو اُن کے ربّ کی طرف سے۔ ہم ان (پیغمبروں) میں سے کسی کے درمیان بھی تفریق نہیں کرتے (تمام نبیوں کو مانتے ہیں) اور ہم اُسی (اللہ) کے مطیع فرمان ہیں۔''

اسی طرح سورۃ البقرۃ کی آخری سے پہلی آیت میں فرمایا: ﴿لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ ۟﴾ ''ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک کی بھی تفریق نہیں کرتے''۔ چنانچہ تفریق بین الانبیاء والرسل بھی قرآن کا ایک مستقل موضوع ہے۔ البتہ آیت زیر مطالعہ

پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے' یہاں اصلاً جو بات سامنے آ رہی ہے وہ ہے ''تفریق بین اللہ والرسل'' یعنی اللہ اور رسولوں کے درمیان تفریق کر دینا۔ اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرنا لیکن رسولوں کو ماننے سے انکار کر دینا' یا ماننا تو ان کی اتباع اور اطاعت سے انکار کر دینا۔ درحقیقت اس وقت دجالیت کا جو سب سے بڑا سیلاب آ رہا ہے' اس کا اصل ہدف یہی ہے کہ اسلامی تہذیب کے جو بچے کھچے اثرات رہ گئے ہیں ان کا صفایا کر دیا جائے اور اس مقصد کے لیے اس کا حربہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے درمیان تفریق ہے۔

تفریق بین اللہ والرسل کا تاریخی جائزہ

پہلے میں تفریق بین اللہ والرسل کی تاریخ کا ایک اجمالی جائزہ پیش کر رہا ہوں:

(۱) یہود کا انکارِ رسالت: اس کا اوّلین مظاہرہ آغازِ اسلام ہی میں یہود کی طرف سے ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں' یومِ آخرت کو مانتے ہیں' لہٰذا ہمیں بھی مسلمان مانو' صاحبِ ایمان تسلیم کرو۔ سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں اگرچہ منافقین کا تذکرہ بھی ہے' لیکن یہاں اصلاً یہود کا ذکر ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ⑧ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ⑨ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ⑩﴾

''لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یومِ آخرت پر' لیکن وہ ہرگز مؤمن نہیں ہیں۔ یہ لوگ (اپنے تئیں) دھوکا دے رہے ہیں اللہ کو اور اہل ایمان کو' حالانکہ وہ دھوکا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور وہ (اس بات کو) نہیں سمجھتے (انہیں اندازہ نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں)۔ ان کے دلوں میں روگ ہے' سو اللہ نے ان کے روگ کو بڑھا دیا ہے' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے' اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں''۔

تو یہ یہود کی طرف سے دعویٰ تھا۔ خاص طور پر مدنی دَور کے ابتدائی سولہ سترہ ماہ کے دوران جب محمدٌ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے اُس وقت ابھی یہودیوں کے کان کھڑے نہیں ہوئے تھے کہ یہ کوئی

*

3

نیا دین آ گیا ہے‘ یا یہ کسی نئی اُمت کی تأسیس ہو رہی ہے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ تو ہمارے ہی قبیلے کی پیروی کر رہے ہیں‘ گویا ہمارے ہی Camp-followers ہیں۔ اسی سے ہمت پا کر ان کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ ہمیں بھی مانو کہ ہم مسلمان ہیں‘ مؤمن ہیں‘ ہم اللہ کو مانتے ہیں‘ آخرت کو مانتے ہیں‘ اگر محمد (ﷺ) کو نہیں مانتے تو کون سی بڑی بات ہے؟ بہرحال قرآن مجید نے فتویٰ دے دیا کہ یہ کافر ہیں‘ مؤمن ہرگز نہیں ہیں‘ یہ دھوکہ دے رہے ہیں‘ ان کے دلوں میں تکبر کا مرض ہے‘ اور اسی تکبر کی وجہ سے یہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کو نہیں مان رہے۔ ارشاد ہوا کہ اللہ نے ان کے اس مرض میں اضافہ کر دیا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے بسبب اس کے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

(۲) منافقین کا طرزِ عمل: تفریق بین اللہ والرسل کا دوسرا مظہر نفاق کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مدینہ کے منافقین پورا زور دے کر کہتے تھے کہ اے محمدؐ! ہم آپ پر ایمان رکھتے ہیں‘ لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ ہم آپ کو ہر معاملے میں حکم بھی تسلیم کریں؟ یہ کیا ضروری ہے کہ ہم آپ کا ہر حکم بھی مانیں؟ آپؐ کی رسالت کا کام پورا ہو گیا‘ آپؐ نے قرآن کی صورت میں اللہ کی کتاب ہمیں لا کر دے دی‘ اب جو کچھ قرآن میں ہوگا اس کو تو ہم مانیں گے‘ لیکن یہ کہ آپ کا حکم‘ آپ کا قول‘ آپ کا فرمان‘ آپ کا قانون ہم کیوں مانیں؟ چنانچہ آپ دیکھئے سورۃ المنافقون کی پہلی آیت میں منافقین کا قول نقل ہوا ہے اور وہ کس شد و مد کے ساتھ ایمان بالرسول کا ذکر کر رہے ہیں:

﴿اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ ۘ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ ؕ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ①﴾

’’(اے نبیؐ!) آپ کے پاس جب یہ منافق آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے (اللہ سے بڑھ کر اور کس کو معلوم ہے) کہ آپ اللہ کے رسول ہیں‘ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹ بول رہے ہیں‘‘۔

اللہ تعالیٰ نے خود منافقین کے ایمان بالرسالت کی نفی فرما دی۔ اس لیے کہ ان کا آپ ﷺ کی رسالت و نبوت پر وہ ایمان نہیں ہے جو ہونا چاہیے۔ خاص طور پر انہوں

نے قتال کے بارے میں یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ یہ تو محمدؐ نے خود اپنی طرف سے شروع کر دیا ہے' ابھی قرآن میں تو قتال کا ذکر ہی نہیں آیا۔ وہ کہتے تھے کہ کوئی سورت کیوں نہیں اتری جس میں قتال کا حکم ہو؟ یہ جو انہوں نے مکہ والوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہے' یہ جو اُن کے قافلوں کا تعاقب کر رہے ہیں' ان کو سیاسی طور پر تنہا کرنے (political isolation) اور ان کی معاشی ناکہ بندی (Economic blockade) کے لیے انہوں نے جو اقدامات کیے ہیں ان کا اللہ کی کتاب سے تو کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی پر سورۂ محمد نازل ہوئی ہے۔ لیکن ان کا یہ جو طرزِ عمل تھا اس کے بارے میں بھی فرما دیا گیا کہ یہ کفر ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴿۶۵﴾﴾ (النساء)

''پس نہیں (اے محمدؐ!) آپ کے ربّ کی قسم! یہ ہرگز مؤمن نہیں ہوں گے جب تک کہ ہر اُس معاملے میں جو اِن کے درمیان اُٹھے آپؐ کو آخری حَکَم تسلیم نہ کریں اور جو فیصلہ آپ کر دیں اس پر اپنے دلوں میں ذرا بھی تنگی محسوس نہ کریں' اور اس کو تسلیم کریں جیسے کہ تسلیم کرنے کا حق ہے''۔

اگر یہ معاملہ ہے کہ مان تو لیا ہے لیکن سینے کے اندر تنگی محسوس ہو رہی ہے' بات جبراً ماننی پڑ رہی ہے کہ کیا کریں' مسلمانوں میں اپنے آپ کو شامل تو کرانا ہی ہے' تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ یہ بظاہر رسول اللہ ﷺ کے فیصلے اور قول کو تسلیم کرتے ہوئے بھی مؤمن نہیں ہیں۔ اس سے پہلی آیت میں یہ اصولی بات فرما دی گئی: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلاَّ لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ط﴾ ''اور ہم نے تو جو رسول بھی بھیجا ہے وہ اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

(۳) اکبر کا ''دینِ الٰہی'': اس تاریخی جائزے کو مختصر کرتے ہوئے اب میں اس دَور پر آ رہا ہوں جب کہ اُمت محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی عمر کا ایک ہزار سال گزر گیا' الفِ اوّل ختم ہوا اور الف ثانی شروع ہوا۔ اُس وقت یہ فتنہ ہندوستان میں بڑے

*

شد و مد کے ساتھ ''دینِ الٰہی'' کی صورت میں اٹھا۔ مغل شہنشاہ اکبر کو اکبر اعظم اور مغل اعظم کہا جاتا ہے۔ اُس کے جاری کردہ ''دینِ الٰہی'' کو اکبر سے نسبت کی وجہ سے ''دین اکبری'' بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ ''دینِ الٰہی'' کا مطلب یہ تھا کہ بس اللہ کو مانو' رسولوں کے ماننے سے تفرقہ ہوتا ہے' اس لیے کہ رسولوں کی شریعتیں جدا ہیں۔ خود قرآن کہتا ہے: ﴿لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا﴾ (المائدۃ:۴۸) ''(تم میں سے) ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت اور ایک منہاج مقرر کیا ہے''۔ ''دینِ الٰہی'' کی بنیاد میں فلسفہ یہ تھا کہ لوگوں میں جو فرق آتا ہے وہ رسالت کی وجہ سے آتا ہے' جبکہ خدا تو سب کا ایک ہے اور لوگ اسے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ پرمیشور کہہ لیں' مہادیو کہہ لیں' رام کہہ لیں' پرماتما کہہ لیں یا اللہ کہہ لیں' اس سے کیا فرق واقع ہوتا ہے؟ وہ تو ایک ہی حقیقت ہے' بس اس کو مانو' اس کو پوجو' اس سے محبت کرو' اس سے لو لگاؤ' اس کا قرب حاصل کرو' باقی ان چیزوں کو چھوڑو' ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس فتنے کے پیچھے اکبر کی سیاسی حکمت عملی بھی تھی۔ اگرچہ وہ بالکل اَن پڑھ تھا لیکن ذہین بہت تھا۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ ہندوستان کا اصل مسئلہ یہی مذہبی فرق و تفاوت ہے اور اس کا حل یہی ہے کہ شریعت کا اور رسالت کا تصور بیچ میں سے نکال دیا جائے' خدا کو تو کسی نہ کسی صورت میں سب مانتے ہیں۔ اس سے ہندوستان کی تمام قوموں میں یکجہتی پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے ہندو عورتوں سے شادیاں کیں۔ یہاں تک کہ اس کا جانشین شہزادہ سلیم (جہانگیر) بھی ایک ہندو رانی جودھا بائی کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس کی کئی رانیاں تھیں۔ وہ تلک بھی لگا لیتا تھا اور بتوں کی ڈنڈوت بھی کر لیتا تھا۔ ہر رانی کے ہاں بت موجود تھے۔ کسی رانی کے ہاں جاتا تو وہاں موجود بت کے آگے سر جھکا دیتا یا ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا۔ یہ سارا فتنہ اس نے ایک سیاسی حکمت عملی کے تحت شروع کیا تھا' لیکن ہندوستان میں اس فلسفہ کو پذیرائی حاصل ہوئی۔

دوسری طرف یہاں کے تصوف میں ہمہ اوست (Pantheism) اور وحدت الوجود (unity of existance) گڈمڈ ہو گئے۔ یہ دو چیزیں بالکل علیحدہ ہیں اور ان

میں باریک سا فرق ہے۔عوام اس فرق کو سمجھنے سے قاصر ہیں ۔ چنانچہ ہمارے ہاں بھی سرائیکی علاقے کے ایک بہت بڑے صوفی شاعر نے ''مسجد مندر ہکڑ ونور'' کا نعرہ بلند کیا۔یعنی مسجد میں اور مندر میں ایک ہی نور ہے' خدا کو رام کہہ لو یا رحمان کہہ لو' کیا فرق پڑتا ہے! آپ کے شہر لاہور میں مادھولال حسین کا مزار موجود ہے۔''مادھولال'' ہندو نام ہے اور ''حسین'' کا اس کے ساتھ لاحقہ لگا دیا گیا ہے۔تو اس قسم کے تصوف اور اکبر کی حکمت عملی نے مل کر ایک بہت بڑا فتنہ اٹھا دیا کہ محمدﷺ کی شریعت اور آپؐ کی رسالت کا دور ختم ہو گیا ہے' وہ ایک ہزار سال کے لیے تھا۔ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن مجید میں دو جگہ یہ بات آئی ہے کہ اللہ کا ایک دن تمہارے حساب سے ایک ہزار سال کا بنتا ہے اور اللہ کا وہ ایک دن ختم ہو گیا' چنانچہ شریعت محمدیؐ اور نبوتِ محمدیؐ کا جو دور تھا وہ ختم ہوا' اب یہ ایک نیا دور ہے' اس میں دین الٰہی چلے گا جو اس دور کے تقاضوں کے مطابق ہے۔

یہ فتنہ ہجری تقویم کے الف ثانی کے آغاز میں اٹھا تھا جب اُمت کی عمر کا دوسرا ہزار سالہ دور شروع ہو رہا تھا ۔ اس فتنے کا توڑ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو اٹھایا' جن کا نام ہی حضرت مجدد الف ثانیؒ پڑ گیا۔ان کے بارے میں علامہ اقبال کہتے ہیں: ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے　　جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں　　اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

ہندوستان میں اُس وقت ملت تو ختم ہو رہی تھی۔اس لیے کہ ملت کی بنیاد آنحضورﷺ کے اتباع اور اطاعت پر ہے۔محض قرآن پر تو کوئی نظام سرے سے بنتا ہی نہیں۔محض قرآن پر انحصار کر کے تو نماز کا نظام ہی نہیں بنتا' اور کیا نظام بنے گا؟ قرآن میں نماز کا تاکیدی حکم ہے اور نماز قائم کرو' نماز قائم کرو کی تکرار موجود ہے' لیکن پانچ نمازوں کا ذکر کہاں ہے؟ اور ان میں سے ہر ایک نماز کی رکعتوں کا ذکر کہاں ہے؟ نظام اگر بنتا ہے تو سنت سے بنتا ہے' یہاں تک کہ نماز کا نظام بھی سنت ہی سے بنتا ہے۔ملت وجود میں آتی ہے تو سنت کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے۔علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے: ؎

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است!

یعنی اپنے آپ کو محمدؐ رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دو' اس لیے کہ دین تو نام ہی آپؐ کی پیروی کا ہے۔ اگر ان تک تمہاری رسائی نہ ہوئی تو سب بولہبی یعنی بے دینی ہے۔

(۴) ''برہموسماج'' کا فلسفہ: یہی فتنہ پھر انیسویں صدی میں ایک ہندو کے ذریعے سامنے آیا۔ راجہ رام موہن رائے عربی' فارسی اور اردو کا بہت بڑا عالم تھا' ہندی تو اس کی اپنی زبان تھی۔ ہندوستان میں ہندوؤں کا قومی سطح پر احیاء جن اشخاص کا مرہونِ منت ہے ان میں راجہ رام موہن رائے بہت بڑے مقام پر ہے۔ یہ شخص ہندو ہونے کے باوجود موحد کامل تھا۔ ہندوستان میں انگریزوں کا داخلہ اٹھارہویں صدی میں ہوا تھا اور جنگ پلاسی کے بعد سے بنگال پر ان کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ وہ سیلاب آگے بڑھ رہا تھا۔ انہوں نے کلکتہ میں پہلا پریس اور پہلا کالج قائم کیا اور بائبل کا اردو اور مقامی زبانوں میں ترجمہ کر کے اس کے نسخے لاکھوں کی تعداد میں پھیلا دیے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمان اس فتنے کا زیادہ شکار نہیں ہوئے۔ اس کے اور بھی اسباب ہیں' لیکن اس کا ایک بہت بڑا ذریعہ راجہ رام موہن رائے بنا۔ اس نے ''آئینۂ تثلیث'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں توحید کا اثبات اور تثلیث کا ابطال کیا۔ اس کتاب میں مسلمانوں کی طرف سے دفاع کیا گیا تھا۔ لیکن اس شخص کا نظریہ بھی یہی تھا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین موجود تفرقہ کو دور کرنے کی ایک ہی شکل ہے کہ ان کے اندر خدا کے نام پر اتحاد پیدا کیا جائے۔ چنانچہ اس نے ''برہموسماج'' اور ''مجلس ایزدی'' کے نام سے ایک خاص مجلس قائم کی اور یہ اس کا ایک خاص فرقہ بن گیا۔ ''دین الٰہی'' کی طرح ''برہموسماج'' کا فلسفہ بھی یہی تھا کہ بس ایک برہما (خدا) کو مان لو' تم اسے اللہ کہہ لو' ہم اسے پرمیشور کہہ لیں' برہما کہہ لیں یا جو چاہیں کہہ لیں' لیکن دین کی باقی چیزیں جو ہیں ان کو ذرا پس پشت ڈال دو' ان کی اہمیت کم کر دو۔ راجہ رام موہن رائے کا انتقال ۱۸۳۳ء میں ہوا تھا۔

(۵) گاندھی کا تصورِ متحدہ قومیت: راجہ رام موہن رائے کے فلسفے کو بیسویں صدی میں گاندھی نے متحدہ قومیت کے تصور کے لیے تازہ کیا۔ گاندھی کی بھی ایک سیاسی بصیرت تھی کہ انگریز کی غلامی سے نجات پانے کی کوئی صورت نہیں ہے جب تک کہ ہندوستان کے مسلمان اور ہندو متحد نہ ہوں اور ان کے اتحاد میں جو چیز حائل ہے وہ مسلمانوں کی شریعت' قانون اور تہذیب ہے۔ تو جب تک ہندوستان کے مذاہب کو ایک ہاون دستے میں ڈال کر کوٹ پیس کر ایک نہ بنا دیا جائے' تب تک ان مذاہب کے ماننے والے متحد نہیں ہو سکتے' اور جب تک یہ متحد نہیں ہوں گے آزادی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ صبح ہی صبح گاندھی کی جو پرارتھنا ہوتی تھی اس میں گیتا بھی پڑھی جاتی تھی' قرآن کی تلاوت بھی ہوتی تھی اور گرو گرنتھ بھی پڑھ کر سنایا جاتا تھا' تاکہ معلوم ہو کہ یہ سب مذاہب ایک ہی ہیں۔ یہ فتنہ اس شدومد کے ساتھ اٹھا تھا کہ ہندوستان کے علماء کی ایک بہت بڑی تعداد مولانا حسین احمد مدنیؒ کی سرکردگی میں اس متحدہ قومیت کی قائل ہو گئی اور انہوں نے مان لیا کہ آج کل دنیا میں قومیں وطن کی بنیاد پر بنتی ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد بھی اس فتنے کا شکار ہوئے۔ اس فتنے کا توڑ اس شخص نے کیا جس کو حضرت مجدد الف ثانیؒ سے خصوصی نسبت حاصل تھی' یعنی علامہ اقبال۔ انہوں نے برملا کہا کہ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد وطن نہیں' مذہب ہے' اور مذہب نام ہے محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا۔ انہوں نے ''وطنیت'' کو دورِ حاضر کا سب سے بڑا بت قرار دیتے ہوئے کہا:

اِس دور میں مے اور ہے' جام اور ہے' جم اور — ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور — مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے — جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے — غارت گر کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے — اسلام ترا دیس ہے' تو مصطفوی ہے

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے!

وہی بات جو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کہی تھی وہی بات علامہ اقبال نے اپنے پیرایۂ بیان میں کہی۔ ان دونوں شخصیتوں کے مابین بڑی گہری باہمی نسبت ہے۔

(۶) فتنۂ انکارِ حدیث و حجیتِ سنتِ رسولؐ: ۱۸۵۷ء کے بعد جب ہندوستان پر انگریز کا پوری طرح تسلط ہو گیا تو یہاں فتنۂ انکارِ حدیث پیدا ہوا۔ ان لوگوں نے سنتِ رسولؐ کا استخفاف کیا۔ یہ فتنہ چونکہ مغرب سے درآمد شدہ فلسفہ ونظریات اور وہیں سے درآمد شدہ سائنس کے زیر اثر تھا لہٰذا یہ فتنہ پورے عالمِ اسلام میں پھیل گیا' اگرچہ اس کے مرکز دو بنے' ایک ہندوستان اور دوسرے مصر۔ مصر ثقافتی اعتبار سے عالمِ عرب کا امام ہے اور عجمی دنیائے اسلام میں سب سے بڑھ کر اہمیت ہندوستان کو حاصل تھی۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کی جو آبادی ہے اس کا تقریباً ایک تہائی ہندوستان میں تھا۔ آج بھی ایسا ہی ہے کہ پاکستان' بھارت اور بنگلہ دیش میں چالیس کروڑ سے زائد مسلمان ہیں' جبکہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب پچیس کروڑ ہے۔ ہندوستان مسلمانوں کی تہذیب وتمدن اور علم وثقافت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہاں پر فتنۂ انکارِ حدیث کے سرخیل سرسید احمد خان تھے۔ ان کے بعد بہت سے علماء' خاص طور پر اہل حدیث علماء اس فتنے کا شکار ہوئے۔ مولانا عبداللہ چکڑالوی' چکوال کے قریب ایک گاؤں چکڑالہ کے رہنے والے' بہت بڑے اہل حدیث عالم تھے جو اس فتنۂ انکارِ حدیث میں مبتلا ہوئے اور پھر انہوں نے اسے بڑے پیمانے پر پھیلایا۔ یوپی کے مولانا اسلم جیراج پوری بھی مسلکاً اہل حدیث تھے' لیکن جب وہ اس فتنے کا شکار ہوئے تو انہوں نے اسے خوب بھڑکایا۔ اسی طرح مولانا تمنا عمادی نے اس فتنے کو خوب ہوا دی۔ نیاز فتح پوری بہت عمدہ مضمون نگار اور انشا پرداز تھے' وہ بھی اس فتنے کا شکار ہوئے۔ غلام جیلانی برق بھی اس فتنہ کے آلۂ کار بنے رہے' اگرچہ آخر میں انہیں ہدایت نصیب ہو گئی۔

پاک و ہند میں سب سے بڑھ کر یہ فتنہ جس شخص سے پھیلا ہے وہ غلام احمد پرویز ہے۔ اس کا تحریر کا اسلوب بھی بڑا اچھا تھا' تقریر کا اسلوب بھی بہت دلکش تھا۔ ظاہر ہے کہ فتنہ وہی شخص برپا کر سکتا ہے جس میں صلاحیت ہوتی ہے' عام آدمی کیا فتنہ برپا کرے

گا؟ اور اگر کرے گا تو اسے پھیلائے گا کیسے؟ تحریر و تقریر کے ذریعے سے فتنہ پھیلتا ہے' پروان چڑھتا ہے' اور ان دونوں چیزوں پر اس شخص کو بڑی دسترس حاصل تھی۔ دیکھئے' پنجاب نے دو غلام احمد پیدا کیے ہیں۔ایک غلام احمد قادیانی' جس نے ختم نبوت کی مہر توڑ دی اور اجرائے وحی و نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ دوسرا غلام احمد پرویز' جس نے اس اعتبار سے نبوت و رسالت کو زخم لگائے کہ ٹھیک ہے' نبی کی رسالت کو ہم مانتے ہیں' لیکن نبی کی اطاعت اور ان کے اتباع کا معاملہ صرف ان کی زندگی تک تھا۔ پرویزیت کا یہ فتنہ آج بھی جاری و ساری ہے۔اس کے دروس اور تقاریر کے کیسٹ آج بھی پوری دنیا میں پھیل رہے ہیں۔اس کا رسالہ ''طلوعِ اسلام'' آج بھی شائع ہوتا ہے۔''بزمِ طلوعِ اسلام'' کے نام سے نہ صرف پاکستان کے مختلف حصوں اور علاقوں میں بلکہ دیگر ممالک کے اندر بھی چھوٹے چھوٹے حلقے قائم ہیں' جہاں پر لوگ جمع ہو کر اس کے دروس اور تقاریر کے کیسٹ سنتے ہیں۔

فتنۂ پرویزیت کیا تھا' اس کے خدوخال کیا تھے' اس کا میں ایک اجمالی تجزیہ پیش کرتا ہوں۔انگریزی محاورے ''Give the devil his due.'' کے مصداق یہ ماننا پڑتا ہے کہ پرویز نے کبھی حدیث کا مطلقاً انکار نہیں کیا' بلکہ اُس کا موقف یہ تھا کہ دائمی ہدایت اور دائمی قانون صرف قرآن کا ہے۔قرآن میں جہاں بھی ''اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ'' کا حکم آیا ہے وہاں رسولؐ کی شخصیت مراد نہیں ہے بلکہ رسولؐ کے ''مرکزِ ملت'' ہونے کی حیثیت مراد ہے۔اُس وقت چونکہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے امیر بھی تھے' پھر آپؐ مدینہ میں سربراہِ مملکت بھی بن گئے تھے' اس اعتبار سے آپؐ مرکزِ ملت تھے' لہٰذا آپؐ کی اطاعت مسلمانوں کے امیر اور مرکزِ ملت کی حیثیت سے تھی۔اب جب بھی کوئی اسلامی ریاست قائم ہو گی تو جو کوئی مرکزِ ملت ہو گا اس کی اطاعت ہو گی۔اُسے حق حاصل ہو گا کہ وہ شریعت محمدیؐ کا جو حکم چاہے تسلیم کرے اور جو حکم چاہے تسلیم نہ کرے۔اس طرح پرویز نے رسالتِ محمدیؐ' نبوت محمدیؐ' شریعت محمدیؐ اور سنت محمدیؐ کی گویا عملاً نفی کر دی۔اس کا موقف تھا کہ ہم صرف انہی احادیث کو مانیں گے جو قرآن کے مطابق ہوں۔اس طرح

گویا قرآنی احکام کی من مانی تعبیرات کرنے کا راستہ نکالا گیا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کی تشریح وتفسیر اور تعبیر اگر سنت سے آزاد ہو کر کی جائے تو قرآن کو موم کی ناک بنایا جا سکتا ہے۔ اس کی ایک مثال دیکھئے۔

قرآن مجید میں چور کے بارے میں حکم آیا ہے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا﴾ (المائدۃ: ۳۸) ''چور خواہ مرد ہو یا عورت ہو' اُن کے ہاتھ کاٹ دو''۔ اس حکم کی رسول اللہ ﷺ نے کیا تعبیر فرمائی تھی؟ یہی کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ چنانچہ آپؐ نے بالفعل چوروں کے ہاتھ کاٹے۔ بنو مخزوم کے ایک بڑے اونچے گھرانے کی خاتون فاطمہ مخزومیہ نے چوری کی۔ اسے پیش کیا گیا تو الزام ثابت ہو جانے پر آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ اس پر اس قبیلے کے لوگوں میں بڑی بے چینی پھیلی۔ اور تو کسی کو لب کشائی کی ہمت نہیں تھی' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے چہیتے تھے' ان کے ذریعے سفارش کرائی گئی کہ حضور! یہ اونچے خاندان کی عورت ہے' اس کے خاندان کی ناک کٹ جائے گی' آپ اس کے معاملے میں ذرا نرمی کیجیے۔ اس پر آنحضور ﷺ نے سخت غصے اور ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: ((اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ؟)) ''کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہے ہو؟'' پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور پھر فرمایا:

((اِنَّمَا اَھْلَکَ الَّذِیْنَ قَبْلَکُمْ اَنَّھُمْ کَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِیْھِمُ الشَّرِیْفُ تَرَکُوْہُ وَاِذَا سَرَقَ فِیْھِمُ الضَّعِیْفُ اَقَامُوْا عَلَیْہِ الْحَدَّ' وَایْمُ اللّٰہِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَۃَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَھَا))(۱)

''تم سے پہلی اُمتیں اسی لیے تو تباہ و برباد ہوئی تھیں کہ جب ان میں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اللہ کی قسم' اگر (بالفرض) فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کا ارتکاب کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب حدیث الغار۔ وصحیح مسلم' کتاب الحدود' باب قطع السارق الشریف وغیرہ والنھی عن الشفاعۃ فی الحدود۔

احادیث میں صراحت موجود ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اُس عورت کا ہاتھ قطع کروادیا۔

لیکن اس قرآنی حکم کی تعبیر پرویز صاحب یہ کرتے ہیں کہ ''چور کا ہاتھ کاٹ دو'' کا مطلب یہ ہے کہ ایسا فلاحی معاشرہ قائم کردو' ایسا معاشی نظام بنا دو کہ کسی کو چوری کی ضرورت ہی نہ رہے۔ جیسے والدین کسی مسئلے میں اپنے بیٹے سے کہتے ہیں کہ بھئی تم نے تو ہمارے ہاتھ کاٹ دیے' یعنی تم نے تو ایسا قدم اٹھالیا کہ اب ہم کچھ کرہی نہیں سکتے۔ یہ گویا محض ایک محاورہ ہے' بالفعل ہاتھ کاٹ دینا مراد نہیں ہے' یہ مفہوم تو مولویوں نے خواہ مخواہ نکال لیا ہے۔ حالانکہ ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ اسی آیت میں آگے فرمایا گیا ہے: ﴿جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''یہ درحقیقت ان کے کرتوتوں کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت انگیز سزا''۔ تو کیا ان کے کرتوتوں کا بدلہ یہ ہے کہ ایک فلاحی نظام قائم کرو؟ اور کیا اس اعلیٰ نظام سے عبرت پیدا ہوگی؟ قرآن مجید اپنی حفاظت خود کرتا ہے' از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ (حم السجدة: ٤٢) ''باطل نہ تو اس (قرآن) کے آگے سے اس پر حملہ آور ہوسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔'' بہرحال یہ اس کا موقف تھا اور یہ موقف ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں بڑے پیمانے پر موجود ہے۔ ان کے ہاں درسِ قرآن کے نام سے جو محفل ہوتی تھی وہ مخلوط محفل ہوتی تھی' اس میں مرد' خواتین اور نوجوان لڑکیاں بے پردگی کے ساتھ شریک ہوتی تھیں۔

<u>(۷) دورِ حاضر کے دجال کا حربہ</u>: اس وقت صورت حال یہ ہے کہ یہ فتنہ بڑے شدومد کے ساتھ بہت بڑے پیمانے پر اُٹھ رہا ہے اور اسے دجاجلہ میں سے ایک بہت بڑے دجال امریکہ اور شخصی طور پر بش کی پشت پناہی اور تائید حاصل ہے۔ اس فتنے کا ہدف کیا ہے؟ اسلامی تہذیب کی بیخ کنی کرنا! اور اس کا حربہ کیا ہے؟ تفریق بین اللہ والرسل! یعنی اللہ کو مانو' قرآن کو مانو اور اس کی من مانی تعبیر کرو اور رسولوں کو چھوڑو' رسول کی بات کو چھوڑو۔ وہ تو بس اپنے وقت کے لیے آئے تھے اور انہوں نے ایک وقتی کلچر اور وقتی نظام پیدا کردیا تھا' جو لوگوں کی اُس وقت کی ذہنی سطح اور اُس وقت کے ماحول کے مطابق تھا۔

یہ کوئی دائمی اور مستقل شے نہیں ہے۔

اسلامی تہذیب کی بیخ کنی کا تاریخی پس منظر

اِس وقت دنیا میں شیطان لعین کے سب سے بڑے ایجنٹ یہود کے ذریعے سے دجالیت جو مرحلہ وار آگے بڑھی ہے' اس موضوع پر میں ''موجودہ عالمی حالات میں اسلام کا مستقبل'' کے عنوان سے تقریر کر چکا ہوں۔

(**۱**) شیطانِ لعین اور اس کے سب سے بڑے ایجنٹ یہود کے زیر اثر دنیا پر دجالیت کا پہلا وار سیکولرزم کے عنوان سے ہوا۔ یہ ریاست اور سیاست کے میدان میں بڑا کاری وار تھا۔ یعنی مذہب کو' خدا کو' خدائی احکام کو' آسمانی ہدایت کو ریاست سے الگ کر دو۔ ریاست کا نظام اور اس کا قانون بنانا انسانوں کا کام ہے۔ عوام خود حاکم ہیں' وہ اپنے نمائندوں کے ذریعے سے جو چاہیں گے قانون بنائیں گے۔ خدا کو مساجد اور دوسری عبادت گاہوں تک محدود رکھو' وہ ہمارے ایوانِ حکومت میں نہیں آئے گا' ہمارے قانون ساز ادارے میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔ حاکمیت اُس کی نہیں ہے' حاکمیت عوام کی ہے۔ یہ دجالیت کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا وار تھا۔ چونکہ سب سے پہلی چیز ہی سب سے اہم ہوتی ہے' لہٰذا یہ وار بڑا کاری ثابت ہوا اور اب یہ بات پوری دنیا میں تسلیم کر لی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں خدا کے خلاف اس سے بڑی بغاوت آج تک نہیں ہوئی۔ اس سے پہلے دنیا میں شرک ہوتا تھا کہ ایک بڑے خدا (God) کو ماننے کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے خدا (gods) بھی مان لیے جاتے' لیکن خدا کو اس طرح انسانی معاملات' خاص طور پر ریاست' سیاست' حکومت اور قانون سازی کے اختیارات سے بے دخل کر دینے کا معاملہ اِسی دَور میں ہوا ہے۔

(**۲**) دجالیت کا دوسرا وار معیشت کی سطح پر ہوا اور معیشت کی بنیاد سود پر مبنی سرمایہ داریت (Interest based capitalism) پر رکھ دی گئی۔ جبکہ آسمانی شریعتوں کے نزدیک اعمال میں سب سے بڑا گناہ سود ہے۔ عقائد میں شرک کو ناقابل معافی گناہ قرار دیا گیا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾

(النساء:٤٨ و ١١٦) ''یقیناً اللہ تعالیٰ یہ بات تو کبھی معاف نہیں کرے گا کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے' البتہ اس کے علاوہ دوسرے گناہ جس کے لیے چاہے گا معاف فرما دے گا''۔ اور اعمال میں سود وہ گناہ ہے جسے ترک نہ کرنے پر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ دجالیت کے زیر اثر وہی سود معیشت کی مرکزی شے بن گیا اور یہ معاملہ بھی اب گلوبل ہو چکا ہے۔ مشرق ہو یا مغرب تمام مسلم اور غیر مسلم ممالک میں سودی معیشت جڑ پکڑنے کے بعد برگ و بار لا رہی ہے۔

(۳) دجالیت کا تیسرا وار کافی بڑے پیمانے پر سماجی و معاشرتی سطح پر ہو رہا ہے۔ مغرب اور اس کے زیر اثر دوسرے ممالک کے اندر تو یہ وار سو فیصد کامیاب رہا ہے' لیکن ابھی عالمِ اسلام میں پورے طور سے کارگر نہیں رہا۔ چنانچہ اس کے لیے ایک منظّم سازش کے ساتھ بڑی جدوجہد ہو رہی ہے۔ یہ وار ہے شرم و حیا' عفت و عصمت کے تصورات اور ستر و حجاب کے قوانین اور ضابطوں سے آزاد تہذیب اور معاشرت کا فروغ۔ اسلامی تہذیب کو اِس وقت سب سے بڑا چیلنج اسی سے ہے۔ اس لیے کہ یہ اسلامی تہذیب کا بنیادی اور اہم ترین نکتہ ہے۔ اس کے لیے امریکہ میں ان کے تھنک ٹینکس قائم ہیں' جن میں بہت بڑے مفکر اور دانشور سوچ بچار کرتے ہیں اور اس سوچ بچار کا نتیجہ اپنے مقالات اور کتابوں کی صورت میں پیش کرتے ہیں' جو ایک طرح سے حکومت کی راہنمائی ہوتی ہے۔ چنانچہ سیموئیل پی ہنٹنگٹن نے ایک کتاب لکھی: ''تہذیبوں کا ٹکراؤ'' (Clash of Civilizations) ' جس میں اس نے واضح کیا کہ اب ہماری تہذیب کا مسلم تہذیب سے فیصلہ کن ٹکراؤ ہونا ہے۔ اس کتاب میں اس نے تجزیہ کیا ہے کہ ٹائن بی کے مطابق دنیا میں آج تک کل بیس تہذیبیں قائم ہوئی ہیں' ان میں سے بارہ تو مر چکی ہیں' نسیاً منسیاً ہو چکی ہیں اور آٹھ ابھی باقی ہیں۔ ایک ہماری مغربی تہذیب ہے' سات اور ہیں' ان سات میں سے بھی پانچ ایسی ہیں جنہیں ہم آسانی کے ساتھ اپنے اندر جذب (assimilate) کر سکتے ہیں ___ جیسے انڈین تہذیب بڑی آسانی سے مغربی تہذیب میں جذب ہو گئی' اس لیے کہ ان کی تہذیب و ثقافت پہلے ہی مغرب سے قریب تر

تھی‘ وہی بے پردگی اور عریانی پہلے بھی تھی‘ اب اور بڑھ گئی‘ وہی ناچ گانا پہلے بھی تھا‘ اب اور زیادہ ہوگیا‘ لہٰذا تہذیبی ٹکراؤ تو وہاں ہے ہی نہیں —— لیکن دو تہذیبیں ایسی ہیں جو ہمارے لیے چیلنج ہیں۔ وہ گویا لوہے کے چنے ہیں جنہیں چبانے میں وقت لگے گا۔ ان میں سے ایک مسلم تہذیب ہے اور دوسری چین کی کنفیوشین (Confucian) تہذیب۔ مؤخر الذکر کے بارے میں تو میں اُس وقت نہیں سمجھا تھا کہ آیا چین کے اندر یا اس کے آس پاس کے ممالک میں جو بدھ مت کے پیروکار شمار ہوتے ہیں‘ واقعی ان کی کوئی تہذیب کنفیوشس کے حوالے سے موجود ہے؟ ابھی حال ہی میں نیوز ویک کا ایک پرچہ چھپا ہے‘ جس کا مرکزی مضمون تھا ’’کنفیوشس کا احیاء‘‘ (Revival of Confucius) یعنی چین میں اِس وقت کنفیوشس کے نظریات کا احیاء ہو رہا ہے۔ لہٰذا اُس نے اسے بھی اپنے لیے خطرہ قرار دیا ہے‘ لیکن انہیں اصل خطرہ مسلم تہذیب سے ہے اور وہ اسے اپنے لیے بہت بڑا چیلنج تصور کرتے ہیں۔

اسلامی تہذیب کی تاریخ

اب ذرا اسلامی تہذیب کا ایک تاریخی جائزہ لے لیجیے‘ جو شرم و حیا‘ عفت و عصمت اور ستر و حجاب کے احکام پر مبنی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی حدیث میں نے شروع میں آپ کو سنائی ہے: ((بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ غَرِیْبًا ، فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ)) یعنی اسلام کا آغاز جب ہوا تو وہ بہت اجنبی اور نامانوس سا تھا۔ لوگوں کے لیے اس کی تعلیمات نئی باتیں تھیں‘ لہٰذا لوگ انہیں سمجھتے نہیں تھے۔ پھر اس کے بعد اسلام کے غلبے کا دور آ گیا۔ جو غالب ہو جائے اس کے تو سبھی دوست بن جاتے ہیں‘ لہٰذا بہت سے لوگ اس کا عَلَم لے کر کھڑے ہو گئے‘ لیکن عنقریب اسلام پھر سے غریب یعنی اجنبی ہو جائے گا۔ تو جو لوگ اسلام کی اجنبیت میں اس کا ساتھ دیں اور خود بھی اجنبی ہو جائیں ان کے لیے مبارک باد اور تہنیت ہے۔ یہ مبارک باد اور تہنیت ان کے لیے ہے جو زمانے کا ساتھ نہ دیں‘ اسلام کا ساتھ دیں‘ چاہے کہا جائے کہ یہ بڑے بنیاد پرست (Fundamentalists) ہیں‘ یہ بڑے کٹھ ملّا ہیں‘ یہ بڑے دقیانوسی ہیں‘ یہ بڑے تنگ نظر اور بڑے رجعت پسند

ہیں ۔انہیں جو بھی کہا جائے‘ لیکن یہ اسلام کے ساتھ چمٹے رہیں!

اب اس کا تاریخی تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر اجنبیت کا پہلا پردہ یا پہلا سایہ خلافت راشدہ کے فوراً بعد ہی پڑ گیا جب حکومت اور ریاست کے میدان میں ﴿اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ﴾ کا معاملہ ختم ہوا اور ملوکیت کا آغاز ہو گیا۔ بنواُمیہ‘ بنوعباس اور اس کے بعد جو بادشاہتیں بنیں‘ خواہ وہ مغلوں کی حکومت تھی‘ صفویوں کی حکومت تھی یا ترکوں کی حکومت تھی‘ وہاں پر خلافت کے بنیادی تصور کی نفی تھی۔ خلافت کا یہ تصور کہ اپنے میں سے بہترین کا انتخاب کرو اور پھر ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا﴾ (النساء:۵۸) کے مصداق ان کی ذمہ داریاں ان کے حوالے کر دو‘اس کو ختم کر دیا گیا اور اب جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول رائج ہو گیا۔خلافت راشدہ کے بعد بنواُمیہ نے اپنی عصبیت اور طاقت کی بنیاد پر حکومت قائم کر لی۔ یہ اسلام پر اجنبیت کا پہلا پردہ تھا۔

کچھ عرصے کے بعد ملوکیت نے خوب پنجے گاڑ دیے اور ملوکیت شہنشاہیت میں تبدیل ہو گئی۔ بنوعباس کے دور میں اسلام پر اجنبیت کا دوسرا پردہ معیشت کے میدان میں پڑا۔اس دور میں ایک طرف جاگیرداری نظام قائم ہوا جو ملوکیت کی بنیاد ہوتی ہے۔آپ کو مشرق و مغرب میں ہر جگہ شہنشاہیت اور بادشاہت کے زیر سایہ جاگیرداری نظام ملے گا۔ ہر بادشاہ کے تیس ہزاری اور بیس ہزاری منصب دار ہوتے تھے اور اسی نظام کے بل پر حکومت قائم ہوتی تھی۔ اور اس نظام کے لیے مزارعت ضروری ہے۔ آپ نے کسی کو بہت بڑی جاگیر دے دی ہے تو کیا وہ شخص اسے خود کاشت کرے گا؟ ظاہر ہے وہ اسے کسی کو بٹائی پر کاشت کے لیے دے گا۔ یہ زمین کا سود ہے جو سب سے پہلے اسلام میں داخل ہوا۔اس کو حرام مطلق قرار دیتے ہیں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی‘ جو اصحاب الرائے کے سرخیل ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی جو اصحاب الحدیث کے سرخیل ہیں۔اور پھر بیع مؤجل اور بیع مرابحہ کے عنوان سے نقد کے معاملے میں بھی سود کی ہلکی سی شکل اسلام میں داخل ہو گئی۔

ملوکیت اور شہنشاہیت کے اَدوار میں سیاسی و ریاستی سطح پر پسپائی اور اسلام کی معاشی

تعلیمات میں ترامیم کے باوجود مسلمانوں کی تہذیب اور معاشرت قائم رہی اور ان کا طرز بود و باش، ان کا عائلی نظام، خاندانی نظام اور ان کے عائلی قوانین مشرق سے مغرب تک جوں کے توں قائم و دائم رہے، خواہ وہ بنواُمیہ کا دورِ ملوکیت تھا یا بنوعباس کا، یا دوسرے بادشاہوں کے ادوار تھے، یا مغربی استعمار کا دور تھا۔ مسلمانوں کا اپنا کلچر وجود میں آیا، مسلم طرزِ تعمیر وجود میں آیا، جو دنیا میں مورِش طرزِ تعمیر (Moorish Architecture) کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا آغاز سپین کے اندر مکان بنانے کے ایک خاص انداز سے ہوا کہ زنان خانہ علیحدہ ہے، مردانہ علیحدہ ہے، پہلے مردانہ ہے، پھر اس کے بعد ڈیوڑھی آئے گی اور زنانہ شروع ہوگا۔ باہر سے جو آئے گا وہ یہاں مردانے میں قیام کرے گا، زنان خانہ کے اندر صرف محرم جائیں گے اور کوئی نہیں جا سکتا۔ اس طرز تعمیر کی بنیاد اسلام کی معاشرتی و سماجی تعلیمات تھیں۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد پر مسلمانوں کا آرٹ وجود میں آیا۔ مسلمانوں کی خطاطی اور مظاہر فطرت کی نقاشی دنیا میں بہت بڑا آرٹ بن گیا۔ چنانچہ مسلمانوں کی تہذیب وثقافت، عائلی نظام اور معاشرتی اقدار میں فرق نہیں آیا، چاہے سیاسی اور معاشی اعتبار سے دجالیت مختلف ادوار سے گزر کر اسلام کے رُخِ روشن پر پردے ڈالتی رہی۔

دجالیت کا آخری حملہ

ہماری اس تہذیب پر ہونے والے دجالیت کے اس آخری حملے کا ہدف یہ ہے کہ چادر اور چار دیواری کا جو حصار (قلعہ) اب تک قائم ہے اس کو منہدم کر دیا جائے، بے پردگی، عریانی وفحاشی اور مخلوط معاشرت کو عام کر دیا جائے، آزاد شہوت رانی کو فروغ دیا جائے، جس کے نتیجے میں شادی کے مقدس بندھن کی حیثیت ختم ہو جائے اور خاندان کا ادارہ تباہ ہو جائے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے مغرب میں اب شادی بیاہ تقریباً مفقود ہونے والی بات ہے۔ وہاں کے جوڑے ایک دوسرے کو میاں بیوی تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ساتھ رہ رہے ہیں، لیکن ہم شادی شدہ نہیں ہیں۔ اسی طرح ان کے ہاں اولاد ہو رہی ہے۔ بش نے کئی دفعہ وعظ کیا ہے کہ شادی کرو اور میاں بیوی کی حیثیت سے

رہو۔اس لیے کہ وہاں کوئی شادی کرتا ہی نہیں۔ان کے عائلی قوانین ایسے غیر فطری ہیں کہ کوئی مرد اس کو گوارا نہیں کرتا کہ وہ شادی کے بندھن میں بندھے اور قانونی طور پر ان قوانین کی زد میں آ جائے۔شادی کے بغیر ساتھ رہنے والے مرد و عورت میں اگر علیحدگی ہو جاتی ہے تو مرد پر کوئی قانونی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔اس طرح وہاں پر خاندانی نظام کی بیخ کنی ہو چکی ہے۔

دجالیت نے اپنا یہ ہدف دنیا کے بہت بڑے حصے میں پورے طور پر حاصل کر لیا ہے' لیکن ابھی عالمِ اسلام میں اس کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔مسلم معاشروں میں ابھی کچھ نہ کچھ خاندانی قدریں موجود ہیں' کچھ بزرگوں کا احترام ہے' شادی کے بندھن کی کچھ اہمیت ہے' اس کا کچھ تقدس ہے' شرم و حیا کی کوئی قدر و قیمت ہے' عصمت و عفت کے اعلیٰ قدر ہونے کا کوئی تصور ہے' ستر و حجاب کا کوئی تصور ہے۔چنانچہ مسلمانوں کی ان تہذیبی اقدار کی جڑ کاٹنے کے لیے عالمی سطح پر منصوبہ سازیاں جاری ہیں۔ذرا یاد کیجیے' عورتوں کی آزادی (Women Lib) کے لیے سب سے پہلے عالمی سطح پر قاہرہ کانفرنس ہوئی' پھر بیجنگ کانفرنس ہوئی' پھر تنظیم اقوام متحدہ (U.N.O) کے زیر اہتمام بیجنگ پلس فائیو کانفرنس ہوئی اور اس میں جو سفارشات منظور ہوئیں وہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔مثلاً ہم جنسیت (homosexuality) کو کوئی عیب نہ سمجھا جائے' یہ بھی انسان کا ایک طبعی تقاضا ہے۔مرد مرد سے اور عورت عورت سے شہوت رانی کرے تو کوئی حرج نہیں' یہاں تک کہ مرد سے مرد کی شادی اور عورت سے عورت کی شادی روا ہے۔ اسی طرح جسم فروش عورتوں کے لیے prostitute جیسا گھٹیا لفظ استعمال نہ کیا جائے' بلکہ ان کے پیشے کا احترام کرتے ہوئے انہیں ''سیکس ورکر'' کا نام دیا جائے۔وہ بھی تو آخر محنت کش ہیں' جنس کی بنیاد پر محنت کرنے والیاں ہیں۔ایک مزدور اپنی جسمانی محنت اور طاقت استعمال کر کے پیسہ کماتا ہے۔ایک عورت بھی اگر اپنے جسم کے ایک حصے کو استعمال کر کے پیسے کما رہی ہے تو اسے کیوں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہو؟ پھر مرد اور عورت ہر اعتبار سے برابر ہیں اور زندگی کے تمام معاملات میں شانہ بشانہ شریک ہوں

گے۔ وراثت میں بھی عورت کا برابر کا حصہ ہوگا۔ یہ کیا کہ عورت کا حصہ مرد سے آدھا اور عورت کی گواہی مرد سے آدھی؟ بلکہ مرد اور عورت ہر حیثیت سے برابر ہیں۔ عورت شادی کر کے تمہارے گھر میں آباد ہو جاتی ہے تو اگر وہ گھر کا کام کاج کرے گی تو اسے آپ سے اس کی اجرت لینے کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح اگر وہ حمل اور وضع حمل کی تکالیف جھیلتی ہے تو اس پر بھی شوہر سے اجرت لے سکتی ہے۔ پھر یہ کہ اگر شوہر بیوی سے ہم بستری کے لیے اصرار کرے لیکن عورت انکار کر دے تو شوہر کے اقدام کو زنا بالجبر (rape) قرار دیا جائے گا اور اس بنیاد پر اس کے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا۔ اسے ''marital rape'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ سب باتیں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کی سفارشات ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ شریعت کا دار و مدار یا اساس یا بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ (۱) اللہ کی کتاب قرآن اور (۲) اللہ کے رسول ﷺ کی سنت۔ ان کے علاوہ دو اضافی چیزیں اجماع اور قیاس (اجتہاد) ہیں، لیکن بنیادی چیزیں دو ہی ہیں: قرآن اور سنت رسولؐ۔ خاص طور پر تہذیب و تمدن کے معاملے میں سنتِ رسولؐ کے ساتھ ساتھ رسول ﷺ کی محبت اور آپؐ کی تعظیم و توقیر سب سے اہم ہے۔ اس لیے کہ اللہ کا رسولؐ ہمیشہ کے لیے مرکزِ ملت ہے۔ آپؐ کی تعظیم میں کمی ہوگی تو دین کی جڑ ختم ہو جائے گی، تہذیب اسلامی ختم ہو جائے گی۔ آپؐ کی صرف اطاعت ہی نہیں، اتباع درکار ہے۔ آپؐ کا اتباع اگر نہیں ہوگا تو تہذیب اسلامی کا وجود نہیں رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور آپؐ کے ادب و احترام کا مضمون میں نے سورۃ الحجرات کے دروس میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ پورے عالمِ اسلام کے لیے اصل مرکزی شخصیت اور اصل مرکزی قیادت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے اور آپؐ کی یہ حیثیت دائمی ہے۔ آپؐ کی محبت اور آپؐ کی توقیر و تعظیم نہ صرف ایمان کا جزو لازم ہے بلکہ یہ وحدتِ اسلامی کی روح ہے۔ بقول اقبال: ؎

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است

آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے محض سوئے ادب سے تمام اعمال اکارت ہو جاتے ہیں۔ سورۃ الحجرات میں متنبہ فرمایا گیا کہ اگر نبی مکرم ﷺ کی آواز سے اپنی آواز بلند کرو گے تو تمہارے تمام اعمال حبط ہو جائیں گے اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہوگا۔ میں تفصیل سے عرض کرتا رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ دُنیوی کے دوران اس حکم کا مطلب آنحضور ﷺ کی آواز سے اونچی آواز کر کے بات کرنا تھا' لیکن اب اس کا مصداق آنحضور ﷺ کی بات کے مقابلے میں اپنی بات لانا ہے۔ یعنی کوئی شخص یہ کہے کہ ٹھیک ہے' حدیث میں تو یہ آیا ہے لیکن میری رائے یہ ہے۔ تف ہے اس طرزِ عمل پر! اگر تم نے مان لیا کہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے تو پھر تم کون ہوتے ہو اپنی رائے پیش کرنے والے؟ اس طرح تو تمہارے تمام اعمالِ صالحہ ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔ تم اس زعم میں رہو گے کہ میں نے کوئی گناہ کبیرہ تو نہیں کیا۔ نہ کبھی زنا کیا ہے' نہ شراب پی ہے۔ تمہیں شعور بھی نہیں ہوگا' اور تمہاری اب تک کی ساری کارگزاری اکارت چلی جائے گی۔

دجالیت کے دو محاذ

اہل مغرب کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو مجروح کرنے کا کام اگرچہ پہلے بھی ہوا ہے' لیکن یہ بڑے مصنفین کی کتابوں میں' بڑے محدود پیمانے پر ہوا ہے۔ لیکن اب انتہائی شدومد کے ساتھ دو محاذوں سے حملہ کیا جا رہا ہے۔ ایک تو ''توہینِ رسالت'' کا محاذ ہے۔ آپ نے دیکھا کہ بہت بڑے پیمانے پر آنحضور ﷺ کے کارٹون بنا کر شائع کیے گئے ہیں۔ اس پر انہوں نے عالمِ اسلام کا ردّعمل دیکھ لیا ہے کہ کچھ جلوس نکل آئے' کوئی توڑ پھوڑ ہو گئی۔ اس طرح ہم نے جو بگاڑا اپنا ہی بگاڑا' ان کا کیا بگاڑا؟ اس اعتبار سے غور طلب بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک کاری وار کر کے اس کا ردّعمل دیکھ لیا ہے کہ بس تھوڑے سے دقیانوسی اور جذباتی لوگ ہیں جو اس پر احتجاج کر رہے ہیں اور وہ بھی عام طور پر اَن پڑھ ہیں' یا مولوی ملاّٹے ہیں۔ عالمِ اسلام کی کسی حکومت نے کوئی قدم اٹھایا؟ کوئی احتجاج کیا؟ ہماری اس بے حسی پر وہ اور جری ہو گئے اور یہ کارٹون یورپ کے کتنے ہی اخبارات میں شائع کر دیے گئے۔ اور اس پر کسی طرف سے کوئی

معذرت نہیں کی گئی۔

اس حملے کا دوسرا محاذ یہ ہے کہ حدیث کا استخفاف کرو اور سنت رسول کی حجیت کو ختم کر دو۔ یعنی وہی تفریق بین اللہ والرسل والا حربہ۔ اس حملے کی پشت پر پورا عالمِ مغرب ہے' یہودی بھی' عیسائی بھی اور سب سے بڑھ کر عالمی میڈیا۔ اس سے بھی بڑھ کر سول سپریم پاور آن ارتھ دی یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ اس کی پشت پر ہے۔ لہٰذا سلامی ممالک میں این جی اوز پر ارب ہا ارب ڈالر خرچ کیا جا رہے ہیں اور ان این جی اوز کا کام ہے مسلم تہذیب کی بیخ کنی۔ ہنٹنگٹن نے مسلم تہذیب کو لوہے کا چنا قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک اس کو چبانے کے لیے لوہے کے دانت ہی درکار ہیں' اس لیے کہ لوہے کو تو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے (اِنَّ الحدیدَ بالحدیدِ یُفلَحُ)۔ چنانچہ مسلم تہذیب کی بربادی کے لیے اتنے بڑے پیمانے پر تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ ہمارے آنکھوں دیکھتے زبیدہ جلال آسمانِ امریکہ سے ٹپک پڑیں اور ہمارے نظامِ تعلیم کے اندر بنیادی تبدیلیاں کر دی گئیں۔ امتحانات اور نصاب وغیرہ کا معاملہ آغا خان فاؤنڈیشن کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ سب کیا ہے؟ عالمِ اسلام میں جو امریکہ کے پٹھو (poodles) حکمران بیٹھے ہوئے ہیں' جن میں سب سے بڑا پرویز مشرف ہے' یہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے نام سے امریکی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے کوشاں ہیں۔ چنانچہ ایوانِ صدر سے لے کر حکومت کی مختلف سطحوں تک اسی روشن خیالی کا پرچار ہو رہا ہے' اور سب سے بڑھ کر اب میڈیا کے ذریعے اسی کا پرچار ہو رہا ہے اور میڈیا کی جو رسائی ہے اس کا آپ اندازہ کیجیے۔

''رینڈ کارپوریشن'' کی سفارشات

اس کے ضمن میں خاص طور پر میں ''رینڈ (RAND) کارپوریشن'' کی سفارشات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو کچھ ہی عرصہ قبل آئی ہیں۔ رینڈ کارپوریشن امریکہ کا سب سے چوٹی کا تھنک ٹینک ہے۔ اس نے تجزیہ کر کے اپنی حکومت کو بتایا ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان ایک جیسے نہیں ہیں' بلکہ مسلمان چار طرح کے ہیں:

(۱) بنیاد پرست (Fundamentalists) جو اسلام کو صرف ایک مذہب نہیں سمجھتے بلکہ ایک سیاسی، معاشی اور سماجی نظام سمجھتے ہیں۔ یہ ہمارے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں۔ ان کے خلاف ہمارا اعلانِ جنگ ہے اور انہیں ہم نے ہر قیمت پر ختم کرنا ہے۔

(۲) روایت پسند (Traditionalists) جن میں بڑی تعداد علماء کی ہے۔ ان کے مدرسے ہیں جہاں یہ قال اللہ وقال الرسول کی تعلیم میں مشغول ہیں، انہیں نظام وغیرہ سے کوئی بحث نہیں۔ یہ لوگ فی نفسہٖ تو خطرناک نہیں ہیں، لیکن اگر کہیں یہ فنڈا منٹلسٹس سے مل جائیں تو بہت خطرناک ہیں۔ اس لیے کہ انہیں اجتماعاتِ جمعہ کی صورت میں بہت بڑا exposoure حاصل ہوتا ہے۔ کوئی سیاسی جماعت اگر چھوٹا سا جلسہ بھی کرے گی تو اس کے لیے پوسٹر شائع کرے گی، اخبارات میں اشتہار دے گی اور اس کے انتظامات کے لیے کتنے کھکھیڑ مول لے گی، لیکن یہاں سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے۔ مساجد میں علماء کو ہر جمعہ کے روز ایک پبلک میٹنگ مل جاتی ہے، جس میں شرکت کے لیے اکثر مسلمان نہا دھو کر اچھے کپڑے پہن کر، خوشبو لگا کر کچے دھاگے سے بندھے کشاں کشاں چلے آتے ہیں۔ چنانچہ اگر یہ روایت پسند علماء بنیاد پرستوں کے ساتھ مل جائیں تو بہت خطرناک ہیں۔ پھر انہوں نے مشورہ بھی دیا ہے کہ ان کو ان کے باہمی مسلکی اور مذہبی اختلافات میں الجھائے رکھو اور ان اختلافات کو خوب بھڑکاؤ، تاکہ یہ لوگ اِدھر اُدھر نہ دیکھ سکیں۔

(۳) جدیدیت پسند (Modernists) یعنی ایسے دانشور جو اسلام اور اسلامی تہذیب کی ایسی تعبیر کر رہے ہیں جو ہماری تہذیب کے ساتھ موافق (compatible) ہے اور وہ ہماری تہذیب کے لیے کوئی چیلنج نہیں رکھتی۔ ایسے جدیدیت پسند اور تجدد پسند دانشوروں کی مدد کی جائے اور خاص طور پر الیکٹرانک میڈیا میں ان کو نمایاں کیا جائے۔ اس لیے کہ ظاہر بات ہے مسجد میں تو کوئی ان کی بات نہیں سنے گا، کوئی ان کو منبر پر کھڑا ہونے نہیں دے گا۔ لہٰذا ہمارے پاس اس سے کہیں زیادہ وسیع ذریعہ جو موجود ہے یعنی الیکٹرک میڈیا، اس پر انہیں ایکسپوژر دیا جائے۔

(٤) سیکولر: مسلمانوں میں بھی بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو خالص سیکولر ہو چکے

ہیں۔ وہ تو ہیں ہی ہمارے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نماز روزہ تو بس انفرادی مسئلہ ہے' کوئی کرے نہ کرے' اس کا ریاست وحکومت سے' دستور و قانون سے اور تہذیب و تمدن سے کوئی واسطہ نہیں۔

دجالیت کے تازہ حملے کے چند مظاہر

اسلام پر دجالیت کے تازہ حملے کے ہمارے ہاں جو مظاہر نظر آ رہے ہیں اس کی مثالیں تو بے شمار ہو سکتی ہیں' لیکن بطور مشتے از خروارے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ دیگ کے چند چاول بتا دیتے ہیں کہ دیگ کا کیا حال ہے۔ ہمارے ہاں کے ایک بہت بڑے ابھرتے ہوئے دانشور' جنہیں اب میڈیا میں بھی اور کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی میں بھی بڑا مقام حاصل ہو گیا ہے وہ اس بات کا پرچار کر رہے ہیں کہ اسلام میں پردہ نہیں ہے' پردے کا کوئی مستقل حکم نہیں ہے' بلکہ یہ تو ایک خاص زمانے کا کلچر تھا' اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ ان صاحب کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کلچر تو ہے' لیکن یہ مسلم کلچر ہے' جو صرف اُس زمانے کے لیے نہیں تھا' بلکہ یہ کلچر ہمیشہ کے لیے ہے۔ اس لیے کہ جب اسلام آیا ہے تو عرب میں کوئی ثقافتی خلا (cultural vacume) تو نہیں تھا۔ ان کا اپنا کلچر تھا۔ وہاں ایسی عریانی نہیں تھی جو آج ہے۔ عورت کا لباس پورا ہوتا تھا اور اُس دورِ جاہلیت میں بھی معزز گھرانوں کی عورتیں بڑی سی چادر (جلباب) میں لپٹ کر باہر نکلتی تھیں۔ صرف یہ کہ چہرہ کھلا رہتا تھا۔ تو اس طریقے سے ایک کلچر موجود تھا۔ پھر یہ بھی تھا کہ بن سنور کر نکلنا اور لوگوں کی نگاہوں میں کھبنا بھی عام تھا' اس پر کوئی پابندی نہیں تھی' مخلوط معاشرت بھی تھی۔

اب اُسی معاشرت کے اندر اسلام نے تبدیلیاں کیں۔ پہلی بات یہ فرمائی:

﴿وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِیَّةِ الۡاُوۡلٰی﴾ (الاحزاب:۳۳)

''(مسلمان عورتو!) اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو!'' تمہاری اصل جگہ تمہارا گھر ہے۔ بن سنور کر باہر نکلنا اور اپنے نسوانی حسن کی نمائش کرنا تمہارے لیے ہرگز جائز نہیں۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ دیکھو جب گھر سے

کسی ضرورت کے تحت نکلنا پڑے تو اپنے جلباب کا ایک پلو اپنے چہرے کے آگے بھی نقاب کی صورت میں لٹکا لیا کرو ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط﴾ (الاحزاب:۵۹) تاکہ تمہارا چہرہ چھپ جائے۔نسوانی حسن کا سب سے بڑا انڈیکس چہرہ ہوتا ہے' وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں نہ آئے۔اُس معاشرے میں اوڑھنی یا دوپٹہ (خمار) بھی موجود تھا اور عام عورت کام کرتے ہوئے اس کو اپنی کمر کے گرد کس لیتی تھی یا پھر اسے گلے میں ڈال لیا جاتا تھا۔اس سے سر کو اچھی طرح ڈھانپنے اور خاص طور پر سینے کو چھپانے کا معاملہ نہیں تھا۔اس ضمن میں یہ ہدایت دی گئی کہ تم اپنا سر بھی ڈھانپو اور اپنے گریبانوں کے اوپر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارو ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ . عورت کے نسوانی حسن کا ایک بہت بڑا حصہ اس کا سینہ بھی ہے' اس کو مزید چھپاؤ۔ پردے کے ان قرآنی احکام کے زیر اثر وہ مسلم تہذیب پروان چڑھی ہے جس کا میں تذکرہ کر چکا ہوں کہ اس نے ہمارا طرزِ تعمیر بھی تبدیل کر دیا۔اور پھر یہ سارا جو تمدنی نظام بنا ہے یہ انگریزوں کے دور میں بھی ختم نہیں ہوا۔فرانسیسی' ولندیزی اور اطالوی مسلم ممالک پر قابض رہے لیکن مسلم تہذیب وتمدن کا یہ ڈھانچہ (structure) قائم رہا۔لیکن اب اس کے خلاف عالمی سطح پر مہم چلائی جا رہی ہے کہ اس کی بنیادیں ہلا دی جائیں۔ چنانچہ پردے کے بارے میں ہمارے دانشوروں کے نئے نئے موقف اسی مہم کا حصہ ہیں۔

میں نے اپنے ایک تفصیلی خطاب میں واضح کیا تھا کہ پردے چار ہیں' ایک نہیں۔ پہلا پردہ جو ایک کرٹن کی طرح ہمارے پورے معاشرے کے اندر تنا ہوا ہے وہ عورتوں اور مردوں کا عدم اختلاط (seggregation of sexes) ہے۔یعنی مخلوط معاشرت نہ ہو۔ دعوت ولیمہ ہو رہی ہے تو ایک طرف مرد ہیں' ایک طرف عورتیں ہیں۔ یہ ہماری تہذیب کا تواتر ہے۔لیکن اب مخلوط محفلیں بھی ہوتی ہیں۔اسلام میں عورتوں پر کام کرنے کی پابندی نہیں ہے' تعلیم حاصل کرنے کی پابندی نہیں ہے' لیکن ان کا مردوں کے ساتھ اختلاط جائز نہیں ہے۔ان کے دفاتر اور تعلیمی ادارے الگ ہونے چاہئیں۔دوسرا پردہ یہ ہے کہ عورت گھر سے نکلے تو جلباب کے اندر لپٹی ہوئی ہو اور اپنے چہرے کے اوپر بھی

اس کا ایک پلو لٹکا لے۔ اسی جلباب نے بعد میں برقع کی شکل اختیار کر لی‘ جس میں عورت کو آسانی ہوگئی کہ اس کے دونوں ہاتھ آزاد ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بچے کو بھی سنبھال سکتی ہے اور ساتھ کوئی اور شے بھی اٹھا سکتی ہے۔ تیسرا پردہ چار دیواری کا ہے کہ گھر کے اندر صرف محرم داخل ہوگا‘ نامحرم اندر نہیں جائے گا‘ وہ بیٹھک یا ڈرائنگ روم میں بیٹھے گا‘ چاہے وہ آپ کا داماد ہے۔ اس لیے کہ داماد کی محرم صرف آپ کی ایک بیٹی ہے جو اس کی بیوی ہے‘ دوسری بیٹیاں اس کی محرم نہیں ہیں۔ البتہ ساس محرم ہے۔ چوتھا پردہ ستر کا ہے کہ عورت اپنے محرموں کے سامنے بھی پورا جسم نہیں کھول سکتی‘ صرف چہرہ‘ ہاتھ اور پاؤں کھول سکتی ہے۔ ان تین چیزوں کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ باپ اور بھائی کی نظر میں بھی نہیں آنا چاہیے۔ مسلمان عورت کو گھر کے اندر بھی مستور رہنا چاہیے۔ اس کے بعد جو ہے وہ صرف شوہر کا معاملہ ہے۔ تو اسلام میں یہ چار پردے ہیں۔ یہ ہماری اسلامی تہذیب کی عظیم الشان عمارت کی بنیادیں ہیں‘ جن پر آج تیشہ چلایا جا رہا ہے۔ اور یہ ماسٹر سٹروک ہے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ عرب کا ایک کلچر تھا‘ اسلام نے اس کلچر کے اندر کچھ ترمیم و اضافہ کر دیا۔ اس کی ایک مثال حج کی ہے۔ حج تو دورِ جاہلیت میں بھی ہو رہا تھا‘ لیکن تلبیہ میں انہوں نے شرک شامل کر دیا تھا: لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِلَّا شَرِیْکاً تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ ”میں حاضر ہوں‘ پروردگار میں حاضر ہوں! میں حاضر ہوں‘ تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اُس شریک کے جس کا تو ہی مالک ہے اور اُس کے پاس جو اختیارات ہیں وہ بھی تیرے ہی اختیار میں ہیں“۔ جیسے عیسائیوں کی تثلیث ہے کہ تین میں ایک‘ ایک میں تین‘ اسی طرح اس تلبیہ میں توحید بھی تھی اور شرک بھی تھا۔ اس میں سے شرک کا عنصر ختم کر دیا گیا اور تلبیہ کے الفاظ یہ مقرر کیے گیے: لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا شَرِیْکَ لَکَ بیت اللہ کا طواف پہلے بھی تھا‘ اب بھی ہے۔ منیٰ میں قیام پہلے بھی تھا‘ اب بھی ہے۔ قریش میدانِ عرفات میں نہیں جاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم تو حرم کے متولی ہیں‘ ہم حدودِ حرم سے باہر نہیں جا سکتے۔ وہ صرف منیٰ میں ٹھہرتے تھے۔ اس کو روک دیا گیا اور

فرمایا: ﴿ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾(البقرۃ:۱۹۹) ''پھر جہاں سے اور لوگ واپس آتے ہیں وہیں سے تم بھی واپس آؤ''۔ تمہارا کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ وقوفِ عرفہ حج کا رکن اعظم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْحَجُّ عَرَفَۃُ)) یعنی حج تو نام ہی عرفہ کا ہے۔ باقی تمام مناسک حج میں سے جو بھی چھوٹ جائے گا' اس کا آپ کوئی نہ کوئی ازالہ کر سکیں گے' لیکن اگر وقوفِ عرفہ نہیں ہوا تو حج نہیں ہوا۔ پھر یہ کہ وہ جب منیٰ میں دو یا تین دن قیام کرتے تھے تو اس میں اپنے آباء واجداد کے قصے' ان کی بہادری کی داستانیں اور ان کے مناقب بیان کیا کرتے تھے۔ انہیں اس سے روک دیا گیا اور فرمایا: ﴿فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۰۰) ''جیسے تم اپنے آباء واجداد کا تذکرہ کرتے تھے اسی طرح اب اللہ کا ذکر کرو' بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر''۔ چنانچہ جو چیز موجود تھی اسی میں اضافے اور کمی کے ساتھ حج کے مناسک بنا دیے گئے۔ اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سمجھ لیا جائے کہ اسلام سے پہلے جو عرب کلچر موجود تھا اس میں اصلاح کر کے اسے اسلامی کلچر بنا دیا گیا۔

یہی دانشور جو پردے کے قائل نہیں ہیں' یہ صاحب اس بات کا بھی پرچار کر رہے ہیں کہ اسلام میں موسیقی حرام نہیں ہے۔

ایک اور صاحب جو ان سے بھی بڑے دانشور ہیں اور قومی سطح پر ہماری بڑی محترم شخصیت ہیں' انہوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اسلام میں شراب حرام نہیں ہے' شراب پی کر نشے میں دھت ہو جانا حرام ہے۔ دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ قرآن میں شراب کے لیے ''حرام'' کا لفظ نہیں آیا۔ اب بتایئے ڈھٹائی کا کیا علاج ہے؟ قرآن شراب کو ﴿رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ﴾ یعنی ناپاک شیطانی عمل قرار دے رہا ہے' ﴿فَاجۡتَنِبُوۡہُ﴾ کا حکم دے رہا ہے کہ اس سے اجتناب کرو' اس سے بچو' اس سے دور رہو! (المائدۃ:۹۰) اگلی آیت کا اختتام ان الفاظ پر ہو رہا ہے: ﴿فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَہُوۡنَ ﴿۹۱﴾﴾ ''پھر کیا تم باز آتے ہو یا نہیں آتے؟'' اور وہ کہہ رہے ہیں کہ حرام کا لفظ تو نہیں آیا' لہٰذا مطلقاً شراب حرام نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن میں حرمتِ شراب کے احکام تدریجاً

*

5

آ ئے ہیں۔ سب سے پہلے سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۹) میں یہ بات فرمادی گئی کہ اس میں کچھ نفع کا پہلو بھی ہے لیکن اس کا نقصان اور گناہ کا پہلو زیادہ ہے۔ پھر سورۃ النساء (آیت ۴۳) میں فرمایا گیا کہ نماز کے قریب مت جانا جب تم نشے کی حالت میں ہو۔ اس کے بعد مذکورہ بالا آخری حکم سورۃ المائدۃ کے اندر آ گیا۔ اگر ان صاحب کی دلیل پر قیاس کیا جائے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زنا حرام نہیں ہے' کیونکہ قرآن میں کہیں ''حُرِّمَ عَلَيْكُمُ الزِّنَا'' یا ''اِنَّمَا حَرَّمَ اللّٰهُ الزِّنَا'' جیسے الفاظ نہیں آئے۔ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں ﴿وَلَا يَزْنُوْنَ﴾ جو آیا ہے' وہ تو عباد الرحمٰن یعنی اللہ کے بہت اونچے بندوں کی صفات کا ذکر ہے۔ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ کا مفہوم کوئی دانشور یہ بیان کر سکتا ہے کہ جہاں زنا ہو رہا ہو اس مقام کے قریب مت جاؤ۔ گویا اسی طرح کا مطلب نکالا جا سکتا ہے جیسا پرویز صاحب نے چور کے ہاتھ کاٹنے کا مطلب نکالا ہے۔

اس وقت ایک اور بات یہ کہی جا رہی ہے کہ سود کھانا تو حرام ہے سود دینا حرام نہیں' اس لیے کہ قرآن میں صرف اکلِ ربا سے منع کیا گیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر سنتِ رسولؐ کا دامن چھوڑ دیا جائے تو اس طرح کی ٹھوکریں تو لازماً کھانا ہوں گی۔ یہ تو سنت سے معلوم ہوگا کہ:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ)) (مسلم)

''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے سود کھانے والے پر' اس کے کھلانے والے پر' اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر۔ اور فرمایا کہ یہ سب (سود کے گناہ میں) برابر کے شریک ہیں۔''

اسی طرح یہ تو سنت ہی بتاتی ہے کہ نہ صرف شراب حرام ہے بلکہ ((كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ)) ''ہر نشہ آور شے حرام ہے''۔ (متفق علیہ) صحیح مسلم کی ایک روایت میں الفاظ آئے ہیں: ((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ)) ''ہر نشہ آور شے شراب ہی ہے اور ہر طرح کی شراب حرام ہے''۔ گویا جس شے سے بھی نشہ ہو جائے وہ حرام ہے۔

چنانچہ سلفی علماء خاص طور پر سعودی عرب کے علماء تو تمبا کو نوشی کو بھی حرام کہتے ہیں' کیونکہ اس سے بھی ایک نشہ سا ہوتا ہے۔ ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ)) ''جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کر دے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے''۔ یہ نہیں کہ تھوڑی سی شراب پی لی جائے تو اس سے جسم میں چستی آ جاتی ہے' لہٰذا ٹھیک ہے۔ بہر حال یہ مثالیں میں نے دی ہیں کہ تہذیبی سطح پر مسلمانوں میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے ان خطوط پر کام ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی تہذیب جو تا حال برقرار چلی آ رہی تھی' اور ابھی اس کے کچھ اثرات باقی ہیں اس کے خلاف عالمِ کفر خم ٹھونک کر میدان میں آ گیا ہے اور ہمارے اپنے کچھ دانشور اس کے آلۂ کار بن گئے ہیں۔ ''تہذیبوں کے ٹکراؤ'' کے حوالے سے مسلمان تہذیب کو ایک بہت بڑا چیلنج قرار دیا گیا ہے اور اس کو سبوتاژ کرنے کی کوششوں پر ذرائع ابلاغ کے ذریعے اربوں ڈالر خرچ کیے جا رہے ہیں۔

ایک بات اور بھی جان لیجیے کہ اب قرآن پر بھی حملہ کیا گیا ہے اور بلند ترین دانشورانہ سطح (highest intellectual level) پر یہ بات کہی گئی ہے کہ اجتہاد قرآن کو over-rule کر سکتا ہے۔ قرآن سے صرف اصول لیے جائیں گے' قرآن کے جزئیات اور معین احکام خاص طور پر حدود صرف اپنے دور کے لیے تھے' یہ مطلق اور ابدی نہیں ہیں۔ قرآن سے اصول لے لو کہ چوری نہیں ہونی چاہیے' زنا نہیں ہونا چاہیے۔ باقی یہ کہ چور کا ہاتھ کاٹ دینا' یہ اُس دور کے لیے تھا' ہمیشہ کے لیے نہیں ہے۔ زانی اور زانیہ کے لیے سو سو کوڑوں کی سزا صرف اُس دور کے لیے تھی۔ قرآن کے معین احکام خاص طور پر حدود و تعزیرات کا معاملہ صرف اُس دور کے ماحول کے اعتبار سے تھا۔ یعنی سنت تو سنت ہے' اس سے آگے بڑھ کر قرآن کے اوپر بھی ہاتھ صاف کیا جا رہا ہے۔ بازی بازی باریش بابا ہم بازی! حالانکہ یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ یہ ختم نبوت کا انکار ہے۔ اس لیے کہ تکمیل نبوت و رسالت ختم نبوت کا لازمی تقاضا ہے۔ یعنی آخری ہدایت آ چکی اور دین کی تکمیل ہو چکی' از روئے الفاظ قرآنی: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ

*

عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدۃ:۳) اگر دین ابھی اس معنی میں مکمل نہیں ہوا' اور قرآن کا ایک ایک لفظ اگر حتمی نہیں ہے تو ابھی نبوت ختم نہیں ہونی چاہیے تھی' پھر تو ابھی وحی کا دروازہ کھلا رہنا چاہیے تھا۔ اگر آپ کے نزدیک تمدنی ارتقاء اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ خود قرآن کے اندر بھی (معاذ اللہ) کوئی ردّ و بدل ہو سکتا ہے تو پھر گویا آپ نے ختم نبوت کی مہر توڑ دی۔ اسی لیے غلام احمد قادیانی کے ہاتھوں ختم نبوت کی نفی اور غلام احمد پرویز کے ہاتھوں سنت کی جو نفی ہوئی ہے یہ آپس میں ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں' حاصل دونوں کا ایک ہی ہے چنانچہ اس گمراہی کا جادو اب سر چڑھ کر بول رہا ہے اور ایک عظیم سیلاب کی مانند اسلام کی بچی کھچی تہذیبی اقدار کو بھی ختم کرنے پر تلا ہوا ہے۔

کچھ علاج اس کا بھی ......؟

آخر میں عرض کر رہا ہوں کہ اس کا علاج کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کا علاج آسان نہیں' لیکن ہمیں اپنی اُخروی فلاح و نجات کے لیے اپنی سی محنت اور سعی و جہد تو کرنی ہی ہے' اس سے چشم پوشی نہیں کرنی۔ باطل کا طوفان بہت سخت ہے لیکن ہمیں نہ صرف کھڑے رہنے کی بلکہ اس کا رخ موڑنے کی کوشش کرنا ہے۔ اصل میں تو اس کا رخ اُس وقت مڑے گا جب کسی اسلامی ملک میں اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم کر کے دنیا کو دکھا دیا جائے اور اس کی برکات لوگوں کو بچشم سر نظر آ جائیں۔ تب اس دجالیت کا توڑ ممکن ہو گا اور اس سیلاب کا رخ موڑا جا سکے گا۔ لیکن اس وقت بھی اس اصول کو عام کرنا اور خود اپنے ذہن کے اندر بٹھا لینا ضروری ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ لازم و ملزوم ہیں' ان کے درمیان متن اور شرح کا تعلق ہے۔ قرآن متن ہے اور حدیث و سنت اس کی شرح ہے۔ ہر مسلمان حتی الامکان اس کی تبلیغ کرے' یہ بات اپنے رشتہ داروں میں' اپنے قریبی لوگوں میں' اپنے عزیزوں میں' اپنے دفتری اور کاروباری ساتھیوں میں پھیلائے۔ دوسری اور اہم تر بات یہ ہے کہ ہم اسلامی اقدار پر اور اسلامی تہذیبی روایات پر سختی سے کاربند رہیں۔ ہم اپنے گھروں میں اسلامی پردہ رائج کریں' ستر و حجاب کے احکام نافذ

کریں۔ یہ تو ہم کر سکتے ہیں۔ ابھی ہمارے ملک میں کوئی مصطفیٰ کمال پیدا نہیں ہوا۔ ایک شخص نے اس کو اپنا آئیڈیل ضرور قرار دیا ہے' لیکن ابھی کسی نے پردے پر جبری پابندی نہیں لگائی جیسا کہ ترکی میں ہو گیا تھا۔ یہ تو ہم نے مغربی تہذیب کو خود اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔ اس سے اپنی جان چھڑاؤ اور اسلامی تہذیب کے ساتھ چمٹ جاؤ' تمسک کرو' چاہو تم اجنبی ہو جاؤ' چاہے تمہیں دقیانوسی کہا جائے' چاہے تم پر پھبتیاں کسی جائیں کہ ع اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو! یہ فنڈا منٹلسٹ ہیں' تاریک خیال لوگ ہیں' رجعت پسند قسم کے لوگ ہیں' یہ قدامت پرست ہیں' کٹھ ملا ہیں' دنیا جو چاہے کہہ دے' لیکن برداشت کرو' استقامت کا مظاہرہ کرو۔ میں اسی حدیث پر اپنی بات ختم کروں گا جو میں نے آغاز میں سنائی تھی:

((بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ غَرِیْبًا ' فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ))

آج اسلام کی غربت اور اجنبیت کا سب سے بڑا دور آ چکا ہے۔ پہلے ریاستی اور سیاسی سطح پر غربت کا دور آیا تھا' پھر معاشی سطح پر آیا اور اب تہذیبی اور سماجی سطح پر غربت کا دور آ چکا ہے۔ اسلام کے عائلی قوانین پر' ستر و حجاب کے احکام پر' عصمت و عفت کے تصور پر اور شرم و حیا کی اقدار پر جو حملہ ہوا ہے یہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ تو ان لوگوں کے لیے تہنیت اور مبارک باد ہے جو اسلام کی اس اجنبیت اور غربت کے دور میں خود غریب اور اجنبی بن جائیں۔ طعنے سنیں' لیکن کھڑے رہیں' ڈٹے رہیں' اسلام کو اور اسلامی اقدار کو سینے سے لگائے رکھیں' ان سے چمٹے رہیں۔ وہ لوگ ہیں جن کے لیے مبارک باد ہے' تہنیت ہے' بشارتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس معیار پر پورا اُترنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

(مرتب: حافظ خالد محمود خضر)

*

مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب (۲)

درس ۲

اقامت دین کی فرضیت

اور

اس کے لیے زوردار دعوت

انجینئر نوید احمد☆

سورۃ الشوریٰ: آیات ۱۳۔۱۵ اور ۴۷، ۴۸

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا
بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ط کَبُرَ عَلَی
الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ ط اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ
یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَھُمْ ط وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیْنَھُمْ ط وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ
مِنْ بَعْدِھِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ج وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ ج
وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ ج وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ ج وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ
بَیْنَکُمْ ط اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ط لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ط لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا
وَبَیْنَکُمْ ط اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ج وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۵﴾﴾
﴿اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ ط مَالَکُمْ مِّنْ

☆ اکیڈمک ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی کراچی

1

مَّلۡجَاٍ یَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَکُمۡ مِّنۡ نَّکِیۡرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا ؕ اِنۡ عَلَیۡکَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَ اِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَۃً فَرِحَ بِہَا ۚ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ کَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾

☆تمہیدی نکات:

(**۱**) منتخب نصاب نمبر۲ کا درسِ دوم سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵ اور آیات ۴۷،۴۸ کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔

(**۲**) منتخب نصاب نمبر۲ کے درسِ اوّل میں ہم نے فرائضِ دینی کے جامع تصور کو سمجھا۔ اِس تصور کے مطابق دینی فرائض تین ہیں۔ پہلا یہ کہ ذاتی زندگی میں اللہ کی مکمل بندگی کی جائے، دوسرا یہ کہ لوگوں کو اللہ کی مکمل بندگی کی دعوت دی جائے اور تیسرا یہ کہ اجتماعی زندگی میں اللہ کے عطا کردہ نظام کو نافذ کرنے یعنی اقامتِ دین کی کوشش کی جائے۔ تبلیغی جماعت کی محنت سے دعوت و تبلیغ کی فرضیت تو بڑے پیمانے پر لوگوں پر واضح ہوئی ہے لیکن ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کی فرضیت ہماری اکثریت پر واضح نہیں اور اِس حوالے سے کوئی زوردار تحریک فعال ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ پاکستان میں جو جماعتیں اقامتِ دین کی جدوجہد کا مقصد لے کر اُٹھی تھیں، طویل آمرانہ حکومتوں کی وجہ سے اُن کی بھی اولین ترجیح جمہوریت کی بحالی محسوس ہوتی ہے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کی فرضیت کو اچھی طرح سے واضح کیا جائے۔ اِن شاء اللہ اِس درس میں قرآن حکیم میں اقامتِ دین کی جدوجہد کی فرضیت اور اِس کے لیے زوردار دعوت کا مضمون ہمارے سامنے آئے گا۔

(**۳**) اِس درس میں شامل دونوں مقامات سورۃ الشوریٰ سے لیے گئے ہیں۔ مکی سورتوں میں سورۃ الشوریٰ کا وہی مقام ہے جو مدنی سورتوں میں سورۃ الحدید کا ہے۔ دینی ذمہ داریوں کے بیان کے اعتبار سے سورۃ الحدید پورے قرآنِ مجید کی جامع ترین سورۃ ہے۔ منتخب نصاب نمبر۱ کا حصّہ ششم اِس سورۂ مبارکہ کے تفصیلی درس پر مشتمل ہے۔ سورۃ الشوریٰ اور سورۃ الحدید میں بڑی عجیب مماثلت ہے:

(i) سورۃ الشوریٰ حجم کے اعتبار سے سورۃ الحدید سے دوگنی ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں ۵۳ آیات ہیں جبکہ سورۃ الحدید میں ۲۹۔ سورۃ الحدید کی ابتدائی چھ آیات ذات وصفاتِ باری تعالیٰ سے بحث کرتی ہیں۔ اِسی طرح (دوگنے حجم کے پہلو سے) سورۃ الشوریٰ کی ابتدائی بارہ آیات

*

میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور صفاتِ عالیہ کا بیان آیا ہے۔

(ii) سورۃ الحدید میں چھ آیات کے بعد ساتویں آیت میں تقاضا سامنے آتا ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے وہ سب کچھ لگا دو جو تمہارے بس میں ہے:

﴿اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَكُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِيۡنَ فِيۡهِ ؕ﴾

''ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر اور (اُس کی راہ میں) کھپا دو وہ سب کچھ جس پر تمہیں عارضی اختیار عطا کیا گیا ہے''۔

جبکہ سورۃ الشوریٰ میں بارہویں آیت کے بعد تیرہویں آیت اِس تقاضے کو یوں بیان کر رہی ہے کہ:

﴿اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ﴾

''قائم کرو دین کو اور اِس معاملہ میں جدا جدا نہ ہو جاؤ!''

(iii) میزان کا لفظ کتاب کے ساتھ جڑ کر قرآنِ مجید میں صرف اِن ہی دو سورتوں میں آیا ہے۔ سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں فرمایا گیا:

﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَيِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِيۡزَانَ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ﴾

''بلاشبہ ہم نے بھیجا اپنے رسولوںؑ کو واضح نشانیوں کے ساتھ اور ہم نے نازل کیں اُن کے ساتھ کتابیں اور ترازو (یعنی نظامِ عدل) تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں''۔

سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۷ میں ارشاد ہوا:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيۡۤ اَنۡزَلَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَالۡمِيۡزَانَ ؕ﴾

''اللہ ہی ہے جس نے نازل فرمائیں برحق کتابیں اور ترازو (یعنی نظامِ عدل)''۔

آیات پر غور وفکر

☆ آیت ۱۳:

﴿شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ﴾ ''راستہ مقرر کیا اللہ نے تمہارے لیے اِس دین میں سے''...... ﴿مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا﴾ ''جس کی وصیت فرمائی تھی اُس نے نوحؑ کو''...... ﴿وَّالَّذِيۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ﴾ اور (اے نبیؐ) جو وحی کیا ہم نے آپؐ کی طرف''...... ﴿وَمَا

﴿وَصَّيۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰٓى﴾ ''اور جس کی ہم نے وصیت کی تھی ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو'' ...... ﴿اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ﴾ ''کہ قائم کرو دین کو اور اِس معاملہ میں جدا جدا نہ ہو جاؤ'' ...... ﴿كَبُرَ عَلَى الۡمُشۡرِكِيۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَيۡهِ﴾ ''بہت ناگوار ہے مشرکوں پر وہ کام کہ جس کی طرف آپؐ اُنہیں بلا رہے ہیں'' ......﴿اَللّٰهُ يَجۡتَبِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ﴾ ''اللہ چن کر کھینچ لے گا اپنی جانب اُسے جسے وہ چاہے گا'' ......﴿وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ ﴿۱۳﴾﴾ ''اور ہدایت دے گا اپنی طرف اُسے جو اُس کی طرف رجوع کرے گا''۔

◆ آیۂ مبارکہ کے اِس حصہ میں واضح کیا گیا کہ دین کے حوالے سے اُمتِ مسلمہ پر وہی ذمہ داری ڈالی گئی ہے جو اِس سے قبل جلیل القدر رسولوں یعنی حضرت محمدﷺ، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام پر ڈالی گئی تھی، یعنی دین کو قائم کرو۔ یہ آیت امتِ مسلمہ کی اہمیت پر دلیل ہے کہ یہ اُمت دینی ذمہ داری کے حوالے سے اب اُسی منصب پر ہے جس پر پہلے اللہ کے عظیم رسول فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس ذمہ داری کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

◆ ''دین'' کا لفظ تعلیماتِ اسلامی میں بڑا اہم ہے اور اِس کے صحیح فہم پر ہی قرآنِ حکیم کی دعوت کا درست مطلب سمجھنا منحصر ہے۔ لفظ ''دین'' کا بنیادی مفہوم ہے بدلہ، یعنی جزا و سزا۔ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کا ترجمہ ہے بدلے کے دن کا مالک۔ اِسی جزا و سزا کے بنیادی تصور سے عربی زبان میں لفظ ''دین'' کے مفہوم میں انتہائی وسعت پیدا ہوتی ہے۔ جزا و سزا کسی ضابطہ اور قانون کے تحت ہی ہوتی ہے۔ اِسی لیے سورۂ یوسف کی آیت ۷۶ میں دین کا لفظ قانون کے معنی میں آیا ہے :

﴿مَا كَانَ لِيَاۡخُذَ اَخَاهُ فِىۡ دِيۡنِ الۡمَلِكِ﴾

''اُن (یعنی یوسفؑ) کے لیے ممکن نہ تھا اپنے بھائی کو روکنا (مصر میں) بادشاہ کے قانون کے مطابق''۔

قانون اور ضابطہ تشکیل پاتا ہے نظام کے تحت۔ اِسی لیے لفظ دین قرآنِ حکیم میں نظام کے معنی میں بھی آیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَقَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الانفال:۳۹)

''اور اُن سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور مکمل طور پر نظام اللہ ہی کا ہو جائے''۔

*

سورۃ المؤمن کی آیت ۲۶ میں فرعون کا اپنی قوم سے خطاب کے دوران قول نقل ہوا:

﴿اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّبَدِّلَ دِیۡنَکُمۡ﴾

''مجھے ڈر ہے کہ وہ (یعنی موسیٰؑ) بدل دے گا تمہارے نظام کو''۔

جس نظام میں اللہ کے عطا کردہ قوانین کی اطاعت ہو وہ ''دین اللہ'' ہے۔ جس نظام میں عوام کے نمائندوں کے بنائے ہوئے قوانین نافذ ہوں وہ دینِ جمہور ہے' اور جس نظام میں بادشاہ کو بڑا مان کر اُس کے فرامین کی اطاعت کی جائے وہ دینُ المَلِک ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ میں دین سے مراد ''دین اللہ'' ہے۔ ''دین اللہ'' یہ ہے کہ صرف اللہ کو بڑا اور حاکم تسلیم کر کے اسی کی جزا کی اُمید رکھتے ہوئے اور اسی کی سزا سے خوف کھاتے ہوئے' صرف اُسی کی عطا کردہ شریعت کے مطابق اپنے انفرادی و اجتماعی معاملات کو سرانجام دیا جائے۔ بالفاظِ دیگر اپنی پوری زندگی میں صرف اور صرف اُسی کی کامل اطاعت کو لازم کر لیا جائے۔ اِسی رویہ اور طرزِ عمل کا نام ہے ''اقامتِ دین'' یعنی اللہ کے دین کے تحت زندگی گزارنا۔

◆ اِس آیت سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ تمام جلیل القدر رسولوں کا مشن تھا اقامتِ دین۔ یعنی اللہ کے دین کو قائم کرنا۔ دنیا میں بھلائی کے کام کئی نوعیت کے ہو سکتے ہیں' مثلاً خدمتِ خلق' اصلاحِ معاشرہ' اصلاحِ رسومات' اصلاحِ عقائد' تعلیمی و تدریسی خدمت اور تزکیۂ نفس کا کام۔ بلاشبہ اللہ کے رسولوں نے مذکورہ بالا خیر کے کام بھی کیے لیکن اُن کا اصل مشن تھا دنیا میں اقامتِ دین کے ذریعہ عدل کا قیام۔ گویا عدل کا قیام ہی دنیا میں کسی انسان کے لیے اعلیٰ ترین مشن ہو سکتا ہے۔

◆ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ کے دو ترجمے ممکن ہیں: ''دین کو قائم کرو'' یا ''دین کو قائم رکھو''۔ اِن دونوں ترجموں سے نتیجے کے اعتبار سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اگر دین قائم نہیں ہے تو اِسے قائم کرو اور اگر پہلے سے قائم ہے تو اِس کی حفاظت کرو تاکہ یہ قائم رہے۔

◆ آیت کے اِس حصہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا۔ مناسب ہو گا کہ یہاں دین اور شریعت کے فرق کو سمجھ لیا جائے۔ جدید اصطلاحات کے اعتبار سے جو فرق کسی ملک کے آئین (یا دستور) اور قانون میں ہوتا ہے وہی فرق دین اور شریعت کے درمیان ہے۔ دستور چند بنیادی اصولوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو اکثر و بیشتر مستقل رہتے ہیں۔ اِن اصولوں کی روشنی میں قانون بنایا جاتا ہے اور قانون میں ترامیم بھی کی جاتی

ہیں۔تمام رسولوں کا دین ایک ہی تھا‘یعنی ’’دینِ توحید‘‘ جس میں یہ اصول طے تھا کہ معبودصرف اورصرف اللہ ہے‘ حاکمیت صرف اورصرف اللہ کی ہےاوراُس کی بندگی ہرصورت میں لازم ہے:

﴿اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ﴾

(یوسف:٤٠)

’’(سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔اُس نے ارشادفرمایاہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔یہی سیدھا دین ہے‘‘۔

البتہ اللہ تعالیٰ نے ہر رسولؑ کو اُن کے دَور کے تمدنی ارتقاء اورحالات کے مطابق جدا جدا شریعت عطافرمائی اوراُن کی قوم کواُس پرعمل کرنے کاحکم دیا:

﴿لِکُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ شِرۡعَۃً وَّ مِنۡہَاجًا ؕ﴾ (المائدۃ:٤٨)

’’ہم نےتم میں سے ہرایک کے لیےایک شریعت اورطریقہ مقررکیا‘‘۔

اللہ تعالیٰ نے ہررسول کی شریعت میں فرق رکھا۔حضرت موسیٰؑ کی شریعت اور ہےجبکہ شریعت محمدیﷺ اور۔دونوں شریعتوں میں نظامِ صلوٰۃ یکسرمختلف ہے۔شریعتِ موسویؑ میں نماز پرزورکم ہے جبکہ شریعت محمدیﷺ میں نماز کوعمادالدین یعنی اصل رکن دین قرار دیا گیا ہے۔دونوں شریعتوں میں روزے کےاحکام میں بڑا فرق ہے۔شریعتِ موسویؑ میں سبت یعنی ہفتہ کا دن محترم تھا اور اِس روز پورے ۲۴ گھنٹے تمام کاروبارِ دُنیوی حرام تھا۔جبکہ شریعت محمدیﷺ میں جمعہ کا دن محترم ہے اور اِس روزصرف اذانِ جمعہ سے لے کر جمعہ کی نماز کی ادائیگی تک ہرطرح کا کاروبارِدُنیوی حرام ہے۔

◆ اِس آیت سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ اقامتِ دین کی جدوجہدامتِ مسلمہ کے ہرفرد پرفرض ہے۔البتہ شیطان ہمیں اِس ذمہ داری سے غافل کرنے کے لیےطرح طرح کے جواز سجھاتا ہے۔بعض اوقات یہ بات سننے کوملتی ہے کہ فلاں بزرگ بہت بڑے مفتی اور عالمِ دین ہیں لیکن وہ تو اقامتِ دین کی جدوجہد کےحوالے سے نہ خودکسی جماعت میں شامل ہیں اور نہ ہی لوگوں کومتحرک کرتے ہیں‘ وہ تو صرف درس وتدریس کی سرگرمیوں میں ہی مشغول رہتے ہیں۔ نوٹ کیجیے کہ ہمارے لیے نمونہ نبی اکرمﷺ اور اُن کے جان نثار ساتھی ہیں۔کیا اُن کی سرگرمیاں درس وتدریس اورتربیت وتزکیہ تک محدود تھیں یا اُنہوں نے اِس سے آگے بڑھ کرگلی کوچوں میں جاکرتبلیغ بھی کی اور اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے دل‘زبان‘ہاتھ اور مال سے

*

جہاد بھی کیا؟ اُن کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے :

﴿لٰـكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾﴾ (التوبۃ)

''لیکن رسولؐ اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں' اپنے مال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کر رہے ہیں۔ اور وہی ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں اور وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں''۔

ایک دوسرا عذر یہ تراشا جاتا ہے کہ اکثریت اِس فریضہ سے غافل ہے۔ ہماری محنت سے کیا نتیجہ نکلے گا؟ تنظیم میں شامل بعض ساتھی بھی فعال طریقہ سے غلبۂ دین کی جدوجہد میں مال و جان نہیں لگا رہے۔ اِس میں تو کوئی شک نہیں کہ غیر فعال ساتھی دوسروں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور اُن کی حوصلہ شکنی کرنے کے مجرم ہوتے ہیں' لیکن ہم کسی اور کی کوتاہی یا گمراہی کو اپنی بے عملی کے لیے جواز نہیں بنا سکتے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾﴾ (المائدۃ)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر تو ذمہ داری ہے تمہاری اپنی جانوں کی' اور تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا کوئی جو کہ بھٹک گیا اگر تم خود ہدایت پر ہو۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو''۔

روزِ قیامت ہمارا محاسبہ انفرادی طور پر ہونا ہے۔ ہر فرد سے اللہ یہ پوچھے گا کہ تم نے کیا کیا؟ اگر کوئی دوسرا گمراہ ہے تو خود اپنے عمل کا جواب دے گا لیکن اُس کی گمراہی ہمارے لیے کسی رعایت کا ذریعہ نہیں بنے گی۔

◆ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ کا ترجمہ ہے ''اور اِس میں جدا جدا نہ ہو''۔ ''فیہ'' میں ''ہ'' کی ضمیر کے اعتبار سے دو مفہوم ممکن ہیں :

(i) اگر ''ہ'' سے مراد لیا جائے اقامتِ دین تو مفہوم ہوگا کہ دین کے قائم کرنے میں متفرق نہ ہو۔ دین کے ضمن میں تم سب پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ اِسے قائم کرو' اِس فرض کی ادائیگی میں متفرق نہ ہو! حنفی' مالکی' حنبلی' شافعی اور اہل حدیث کا اختلاف اپنی جگہ رہے لیکن اقامتِ دین کی جدوجہد میں آ کر سب جڑ جائیں۔ دین کا قائم کرنا تم سب کا مشترکہ مشن

ہونا چاہیے۔

(ii) اگر ''ہ'' سے مراد لیا جائے صرف دین تو اب مفہوم ہوگا دین میں تفرقہ نہ ڈالو۔ دین کے اندر تفرقہ یہ ہے کہ دین کے حصے بخرے کر دینا' دین کی کچھ باتوں کو قبول کرنا اور کچھ سے پہلو تہی کرنا۔ قرآنِ حکیم نے اِس طرح سے دین کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والوں کو مشرک قرار دیا ہے:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝٣١ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝٣٢﴾ (الروم:۲۳)

''اور نہ ہو جاؤ شرک کرنے والوں میں سے' وہ کہ جنہوں نے دین کے حصے بخرے کر دیے اور وہ ہو گئے گروہ گروہ۔ ہر گروہ کے پاس جو (دین کا حصہ) ہے اُس پر وہ خوش ہو رہا ہے''۔

دین میں تفرقہ ڈالنے والے اِس لیے مشرک ہیں کہ وہ اللہ کی حاکمیت میں کسی اور کو شریک کر دیتے ہیں۔ اللہ کو حاکم مطلق مان کر ہر معاملہ میں اُس کے احکام کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ کچھ امور میں اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور کچھ امور میں نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔

دورِ حاضر میں دین میں تفرقہ ڈالنے کی نمایاں ترین مثال سیکولرزم ہے۔ سیکولرزم کے تحت طے کر لیا جاتا ہے کہ اللہ کے احکام کی اطاعت صرف انفرادی زندگی میں ہوگی۔ اجتماعی زندگی میں عوام کے نمائندوں کا اختیار ہے کہ وہ کثرتِ رائے کی بنیاد پر جو چاہیں قانون اور ضابطہ بنا دیں۔ اجتماعی معاملات میں ریاست مکمل طور پر آزاد ہے' وہ اللہ کے احکام کی پابند نہیں۔ یہ تاریخ انسانی میں نوعِ انسانی کی اللہ تعالیٰ سے بدترین بغاوت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو عبادت خانوں تک محدود کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ﴾

''(اے نبی!) بھاری ہے مشرکوں پر وہ بات جس کی آپ ﷺ اُنہیں دعوت دے رہے ہیں''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں آگاہ فرما دیا گیا کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کا معاملہ پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں بھرا بستر ہے۔ تبلیغ کے تین اسلوب ہو سکتے ہیں:

*

(i) پہلا یہ کہ صرف نیکی کی تلقین کی جائے اور اِس حوالے سے اجر وثواب کی بشارتیں دی جائیں۔ کوئی شخص صرف واعظ اور معلّمِ اخلاق بن کر کھڑا ہو اور دین کی محض وہ باتیں پیش کرے جن سے کسی کے مفاد پر زد نہ پڑتی ہو۔ یہ بے ضرر قسم کی تبلیغ ہے جس کی مخالفت نہیں بلکہ تحسین ہوتی ہے‘ پھولوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں اور ہر محفل میں شاندار استقبال کیا جاتا ہے ۔

(ii) دوسرا اسلوب یہ ہے کہ معاشرے میں جاری برائیوں اور ظلم کے خلاف آواز اٹھائی جائے‘ البتہ برائی اور ظلم کو ہاتھ سے روکنے کا کوئی ارادہ ظاہر نہ کیا جائے۔ برائی میں ملوث اور ظلم وستم کرنے والوں کو تبلیغ کا یہ اسلوب اچھا نہیں لگتا لیکن وہ اِسے اپنے لیے خطرہ بھی محسوس نہیں کرتے اور اِس وجہ سے مخالفت کی شدت بھی کم ہوتی ہے۔

(iii) تیسرا اسلوب یہ ہے کہ صرف زبان سے ہی برائی اور ظلم کی مذمت نہ کی جائے بلکہ اِس عزم کا اظہار کیا جائے کہ ہم قوت جمع کر رہے ہیں اور جیسے ہی مناسب قوت فراہم ہوئی ہم ظالمانہ نظام کو تہس نہس کر کے عادلانہ نظام قائم کریں گے۔ یہ ہے اقامتِ دین کا مشن۔ اب باطل نظام کے ساتھ جن لوگوں کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں‘ اُن کو اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر یہ نظام ختم ہوا تو ہمارے مفادات پر ضرب پڑے گی‘ ہماری چودھراہٹ نہیں رہے گی‘ ہمارا وقار اور احترام خاک میں مل جائے گا۔ ایسے مفاد یافتہ طبقات پر عادلانہ نظامِ اجتماعی کے قیام کی دعوت بہت بھاری ہوتی ہے۔ وہ ہر ممکن طریقہ سے اِس کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نوٹ کیجیے کہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت تیسرے اسلوب کی تھی۔ آپؐ محض کوئی واعظ یا مصلح نہ تھے جو جزوی اصلاح کی دعوت لے کر اُٹھے ہوں‘ بلکہ اِس بات کے داعی تھے کہ اِس پورے نظامِ باطل کو‘ جو غیر اللہ کی اطاعت پر قائم ہے‘ بالکل نیست و نابود کریں گے اور اللہ کی اطاعت پر مبنی نظام قائم کریں گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے جاں نثار ساتھیوں کو مشرکین کی طرف سے ذہنی وجسمانی ہر طرح کی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

◆ سورۃ الشوریٰ مکی دَور کے وسط میں نازل ہوئی۔ اُس وقت اسلام کی دعوت کی مخالفت کرنے والے دو گروہ سامنے آ چکے تھے۔ ایک تو مشرکین مکہ جن کے سامنے براہِ راست دعوت پیش کی جارہی تھی۔ دوسرا گروہ اہلِ کتاب کا تھا جو مدینہ میں آباد تھے اور اُن تک بالواسطہ دعوت پہنچنا شروع ہو چکی تھی۔ اِس آیت میں پہلے گروہ کی مخالفت کا ذکر ہے جب کہ اگلی آیت میں دوسرے گروہ کی دشمنی کا۔

◆ مشرکینِ مکہ کو دشمنی نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے نہ تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے وحی کے آغاز سے قبل کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا اور نہ ہی کبھی غیر اللہ کو پکارا۔ اِس کے باوجود آپ ﷺ کو مکہ والے الصادق اور الامین کہتے تھے۔ اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھواتے تھے اور اپنے باہمی جھگڑوں کے فیصلے آپ ﷺ سے کراتے تھے۔ اِس کا ثبوت حجرِ اَسود کی تنصیب کا مشہور واقعہ ہے۔ جوں ہی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب حرم میں سب سے پہلے داخل ہوئے تو سب خوش ہو گئے اِس بات پر کہ ہمارا فیصلہ وہ کریں گے جن سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی معاملہ فہمی، قوتِ فیصلہ اور دیانت داری پر اُنہیں اعتماد تھا باوجود اِس کے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا تھا۔

اِسی طرح مکہ والوں کو اِس پر بھی کوئی اعتراض نہ تھا کہ آپ ﷺ انفرادی طور پر مکہ میں افراد کو نیک اور دیانت دار بنائیں۔ وہ تو چاہتے تھے کہ اُن کے غلام نیک بن کر اُن کی خدمت دیانت داری سے کریں۔

مشرکینِ مکہ کی نبی اکرم ﷺ سے دشمنی اُس وقت شروع ہوئی جب آپ ﷺ نے اُنہیں قرآن سنانا شروع کیا اور اُنہیں اللہ پر اُس کی توحید کے ساتھ ایمان لانے کی دعوت دی۔ سورۃ الانعام میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٣٣﴾﴾

''پس بے شک (اے نبی ﷺ!) وہ آپ کو نہیں جھٹلا رہے لیکن یہ ظالم اصل میں اللہ کی آیتوں کو جھٹلا رہے ہیں''۔

﴿وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿٤٦﴾﴾

(بنی اسراء یل)

''اور جب آپ (ﷺ) ذکر کرتے ہیں اپنے ربّ کا قرآن میں اُس کی توحید کے ساتھ تو وہ بھاگتے ہیں پیٹھ پھیر کر نفرت سے''۔

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾﴾ (صٓ)

'' کیا اِس (محمد ﷺ) نے سب معبودوں کو کر دیا ہے ایک ہی معبود؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے''۔

مشرکینِ مکہ کے لیے قرآن کا یہ اعلان اور آپ ﷺ کی یہ دعوت بھاری ثابت ہوئی کہ

*

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں‘ انسانوں کا ربّ‘ مالک اور حاکم کوئی انسان نہیں ہوسکتا بلکہ صرف اور صرف اللہ ہے۔ مرضی اللہ کی چلے گی‘ اطاعت اللہ کی ہوگی اور دین کل کا کل اللہ کے لیے ہوگا۔ مشرکینِ مکہ کے لیے اِس اعلان کا بھاری ہونا مندرجہ ذیل وجوہات سے تھا :

(i) اللہ کی ربوبیت اور حاکمیت کا انکار:

سردارانِ قریش اللہ کو خالق تو ماننے کو تیار تھے لیکن رب‘ مالک اور حاکم مان کر اُس کی اطاعت کے لیے تیار نہ تھے۔ یہ بات اُن کی انا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے پر گراں تھی۔ ہر سردار خود کو بڑا سمجھتا تھا اور چاہتا تھا کہ میں جو چاہوں کروں۔ کسی کے احکامات کا پابند ہونا اُسے گوارا نہ تھا۔ مثلاً امیہ بن خلف حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہتا تھا کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔ حضرت بلالؓ کہتے تھے کہ نہیں اللہ میرا رب ہے‘ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا مالک نہیں۔ یہ اونچ نیچ غلط ہے کہ کوئی آقا بن کر دوسروں کو غلام بنا لے۔ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ...... آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے اور لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ......آسمانوں اور زمین کا اصل بادشاہ صرف اللہ ہے۔ اب جو جھگڑا تھا وہ ربّ ہونے اور مالک ہونے کا تھا۔ قرآن نے تو اُن کے سارے کے سارے proprietary rights کی نفی کر دی اور وہ جو اپنی من مانی کر رہے تھے اُسے بھی چیلنج کر دیا۔ توحید کا یہ dinamic تصور تھا جو مشرکین کے لیے ہرگز قابلِ قبول نہ تھا۔

(ii) آباء پرستی اور روایت پرستی:

مشرکین اِس بات کے لیے کسی بھی صورت تیار نہ تھے کہ اپنے آباء و اَجداد کے عقائد‘ رسومات اور روایات کو چھوڑ کر اُس راستے کی پیروی کریں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں دکھا رہے تھے۔ یہ مضمون قرآنِ حکیم میں کئی بار آیا ہے۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۰۴ میں فرمایا گیا:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾

’’اور جب اُن سے کہا جاتا ہے آؤ اُس کلام کی طرف جو کہ اللہ نے نازل کیا ہے اور آؤ رسول کی طرف تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہ کچھ کافی ہے جس پر ہم نے پایا اپنے آباء و اَجداد کو۔ اگرچہ اُن کے آباء و اَجداد کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہی وہ ہدایت پر ہوں‘‘۔

(iii) مذہبی سیادت اور مفادات:

مشرکینِ مکہ بت پرستی کی صورت میں خودساختہ معبودوں کے ذریعہ پورے عرب کا استحصال کررہے تھے۔ بتوں کی وجہ سے قریش کو پورے عرب کی مذہبی سیادت حاصل تھی اور وہ پورے عرب سے معاشی و تجارتی فوائد سمیٹ رہے تھے۔ بتوں کے نام پر جو چڑھاوے چڑھائے جاتے یا جو جانور ذبح کیے جاتے اُس کا فائدہ مشرکینِ مکہ کو حاصل ہوتا تھا۔ سارا سال بتوں کی پوجا کے لیے آنے والوں کی وجہ سے کاروبار مشرکینِ مکہ کا چمکتا تھا۔ پورے عرب میں مکہ والوں کے تجارتی قافلے لوٹ مار سے اِس لیے محفوظ رہتے کہ تمام عرب قبائل کے بت مکہ میں نصب تھے اور اِن بتوں کے متولی مشرکینِ مکہ تھے۔ نبی اکرم ﷺ کا ایک اللہ ہی کے معبود ہونے اور اُسی کی مرضی جاری و ساری کرنے کا اعلان مشرکینِ مکہ کے اِس استحصال کے لیے کاری ضرب ثابت ہورہا تھا' اُنہیں اپنے مفادات خطرے میں نظر آرہے تھے' لہٰذا اُنہوں نے دہائی دی:

﴿اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ اَرۡضِنَا﴾ (القصص : ۵۷)

''اگر ہم نے پیروی کی (اے محمدؐ!) آپ کے ساتھ ہدایت کی تو ہم تو زمین سے مٹا دیے جائیں گے''۔

مشرکین کی مذہبی چودھراہٹ اور بت پرستی کے ذریعہ حاصل ہونے والی مراعات اُن کے پاؤں کی بیڑیاں بن گئیں۔ وہ حق کو قبول کرنے کے بجائے اِس کے بدترین دشمن بن گئے۔

◆ مکی سورتوں کے عام اسلوب کے مطابق یہاں پر خطاب اگرچہ نبی اکرم ﷺ سے ہے' لیکن درحقیقت ہر دور کے مسلمان اِس کے مخاطب ہیں جو اِس دعوت کے داعی بن کر کھڑے ہوجائیں۔ یہاں یہ حقیقت واضح کی جارہی ہے کہ ہر دور میں مشرکین عادلانہ نظام کے قیام کو اپنے مفادات کے لیے خطرہ سمجھیں گے اور اِس کی بھرپور مخالفت کریں گے۔ ذہنی طور پر مشرکین کی طرف سے ہر طرح کے مخالفانہ ردّعمل کے لیے تیار رہا جائے۔

◆ ہر دور میں شرک کے دو نظام موجود رہے ہیں۔ ایک سیاسی شرک اور دوسرا مذہبی شرک۔

(i) سیاسی شرک کی ایک صورت تو یہ رہی ہے کہ کوئی انسان خود خدائی کا دعوے دار بن بیٹھے کہ مرضی میری چلے گی' میں نہیں جانتا کہ خدا کا کیا حکم ہے اور رسول کیا کہتا ہے؟ اقتدار کا

*

مالک میں ہوں' لہٰذا حکم صرف میرا چلے گا! اِس سیاسی شرک کا نام ملوکیت اورآمریت ہے۔ اِس کی بدترین مثال فرعون اور نمرود نے قائم کی۔ سیاسی شرک کی دوسری صورت' جو موجودہ دور میں بہت عام ہے' یہ ہے کہ کسی ملک کے عوام اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا انکار کر دیں۔ وہ کہیں کہ اللہ اور رسول کو ماننا ایک انفرادی معاملہ ہے۔ جو اِنہیں مانتے ہیں وہ مسجدوں' مندروں اور کلیساؤں میں اُن کی اطاعت کر لیں' ملک کا قانون تو عوام کی اکثریت کی مرضی کے مطابق بننا چاہیے۔ اِس کا نام ہے جمہوریت اور یہ بھی ایک بدترین سیاسی شرک ہے۔ سیاسی شرک کی تیسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی ایک قوم دوسری قوم کو محکوم بنا لے کہ ہم تمہارے آقا ہیں' لہٰذا مرضی ہماری چلے گی۔ جیسے انگریز قوم نے ہمیں اپنا محکوم بنا لیا اور ہمیں بس اِس قدر مذہبی آزادی دی کہ ہم نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی اپنے دین کے مطابق کر لیں۔ ملکی قانون (Law of the land) اُن کا تھا۔ مرضی اور پسند تاجِ برطانیہ کی چلتی تھی اور وائسرائے ہند اِس کا نمائندہ تھا۔ یہ سیاسی شرک کی تیسری صورت ہے۔ چنانچہ سیاسی طور پر کوئی آمر' کوئی بادشاہ یا کوئی قوم حاکمیت کے مقام پر فائز ہو جائے اور ملک کے تمام معاشی ذرائع و وسائل اور تمام قومی دولت کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق استعمال کرے تو یہ سیاسی شرک ہے۔

(ii) مذہبی شرک یہ ہے کہ چند بڑے ہوشیار اور چالاک لوگ مذہبی پیشوا بن کر انسانوں کو تصور دیتے ہیں کہ تم گناہ گار ہو' اللہ تک تمہاری دعائیں نہیں پہنچ سکتیں' لہٰذا اِس کے لیے واسطوں اور وسیلوں کی ضرورت ہے۔ کہیں یہ نام نہاد پیشوا خود خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ بن جاتے ہیں اور کہیں دیوی اور دیوتاؤں کے نام پر مندر بنا کر یا اولیاء و صلحاء کے نام پر مقبرے اور درگاہیں بنا کر بیٹھ جاتے ہیں تاکہ اُن کے نام پر جو نذرانے آئیں' نذریں اور نیازیں چڑھائی جائیں اِن سے اپنی خواہشاتِ نفس پوری کر سکیں۔ وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ ہمیں خوش کرو گے تو یہ دیوی دیوتا تم سے راضی ہو جائیں گے اور یہ بزرگ تمہاری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ اِس طرح تمہاری مرادیں پوری ہوں گی اور اللہ بھی تم سے خوش ہو جائے گا۔ دوسری طرف عوام کی اکثریت اِن مذہبی پیشواؤں کے جال میں بخوشی پھنس جاتی ہے۔ وہ خود چاہتی ہے کہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو۔ وہ محض نذر و نیاز اور سالانہ عرسوں میں شریک ہو کر خود کو اولیاء اللہ کی شفاعت اور جنت کا حق دار سمجھ لیتی ہے۔

سیاسی شرک کے پیشوا بادشاہوں کے روپ میں Divine rights of kings

کا تصور دے کر عوام سے خراج وصول کرتے رہے۔ دوسری طرف مذہبی شرک کے پیشوا پنڈت' پادری' پروہت' پجاری اور پیر بن کر عوام کی محنت کی کمائی سے نذرانے اور چڑھاوے وصول کرتے رہے اور دونوں استحصالی عناصر کا ہمیشہ گٹھ جوڑ رہا۔ بادشاہ مذہبی پیشواؤں کو His Holiness کی سند دیتے رہے اور مذہبی پیشوا بادشاہوں کو Defenders of the faith کا اعزاز دیتے رہے۔

اسلام سیاسی شرک کے ردّ کے لیے حاکم صرف اللہ کو قرار دیتا ہے' انسانوں کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر صرف اور صرف اللہ کی غلامی کے رنگ میں رنگ دیتا ہے اور بادشاہت کے بجائے خلافت کا تصور دیتا ہے۔ اسلام نے مذہبی شرک کے سدباب کے لیے توحید کا ایسا تصور دیا کہ خالق و مخلوق میں حائل تمام واسطوں اور وسیلوں کی نفی کر دی۔ بقول اقبال: ؎

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۶ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب بھی کوئی دعا کرنے والا اللہ سے مانگتا ہے تو اللہ نہ صرف اُس کی پکار کو سنتا ہے بلکہ اِس کا جواب دیتا ہے۔

اب جن لوگوں کے مفادات پر اسلام کی انقلابی دعوت کی ضرب پڑتی ہے' اُن کے لیے اِس دعوت کا پھیلنا ناگوار ہوتا ہے۔ اِسی لیے فرمایا: ﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ﴾ ''بھاری ہے (اے نبی ﷺ) مشرکین پر وہ (دین کا غلبہ) جس کی طرف آپ انہیں دعوت دے رہے ہیں''۔ یہ صورتِ حال جیسی دورِ نبوی ﷺ میں تھی ویسی ہی ہر دور میں بھی درپیش ہوگی اور اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کو اس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا ہوگا۔

﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳﴾

''اللہ چن کر کھینچ لے گا اپنی جانب اُسے جسے وہ چاہے گا اور ہدایت دے گا اپنی طرف اُسے جو اُس کی طرف رجوع کرے گا''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مشرکین تو مخالفت کریں گے لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں' اللہ آپ ﷺ کی مدد فرمائے گا اور دو طریقوں سے اپنے بندوں کو حق کی طرف لے آئے گا۔ ایک طریقہ یہ کہ اللہ چن کر کھینچ لے گا اپنی جانب جسے چاہے گا۔ دوسرا طریقہ یہ کہ جس کسی کے دل میں بھی حق کو جاننے کی کوئی تڑپ ہوگی اور وہ اِس

*

کے لیے جستجو کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے اپنی جانب رہنمائی عطا فرما دے گا۔

◆ پہلے طریقہ کے اعتبار سے حق کی طرف آنے کی ایک مثال حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کا قبولِ اسلام ہے۔ آپؓ توحید اور شرک کی کشمکش سے بے نیاز روز و شب اپنے مشاغل میں مصروف رہتے تھے، جن میں سب سے زیادہ نمایاں شوق تیراندازی اور شکار کا تھا۔ ایک روز ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ سے زیادتی کی۔ شام کو شکار سے واپس لوٹے تو اُن کی کنیز نے اُنہیں اِس زیادتی کا ماجرا سنایا۔ قرابت داری کے جذبہ نے جوش دکھایا۔ اُسی وقت جا کر اپنی کمان ابوجہل کے سر پر دے ماری اور اعلان کر دیا کہ میں بھی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاتا ہوں۔ اب آپؓ کو نبی اکرم ﷺ کے جاں نثاروں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ بارگاہِ نبوی ﷺ سے آپؓ ''اَسَدُ اللّٰہِ وَ اَسَدُ رَسُوْلِہٖ'' (اللہ کے شیر اور اُس کے رسولؐ کے شیر) اور ''سَیِّدُ الشُّھَداء'' کے القابات سے سرفراز ہوئے۔ اِسی کی دوسری مثال حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو دعوتِ حق دیتے ہوئے چھ برس گزر چکے تھے مگر اُن پر کوئی اثر نہ تھا، بلکہ اِس کے برعکس اُن کو غصہ تھا کہ اسلام کی دعوت نے قریش کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اسلام کی دعوت سے بیزاری اِس قدر بڑھی کہ ایک روز تلوار لے کر آپ ﷺ کے قتل کے ارادے سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن اللہ نے ایسی شکل پیدا فرما دی کہ کھینچ کر حلقہ بگوشِ اسلام کر دیا۔ اب اُن کی یہ شان قرار پائی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ)) ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتے تو وہ عمر بن خطاب ہوتے!'' (ترمذی)

دوسرے طریقہ کی مثال ہیں حضرت سلمان فارسیؓ۔ وہ جس گھر میں پیدا ہوئے وہ آتش پرستی کا مرکز تھا اور اُن کے والد بڑے پجاری تھے۔ اِس گھر میں وہی تعلیم اور وہی تربیت اُن کو مل سکتی تھی جو ایک پنڈت زادے کو ملا کرتی ہے۔ مذہبی پیشوا کی گدی اُن کے لیے تیار تھی جس پر بیٹھ کر وہ عیش کر سکتے تھے۔ وہی نذر و نیاز اور چڑھاوے جن سے اُن کا خاندان مالا مال ہو رہا تھا، اُن کے لیے بھی حاضر تھے۔ لوگ اُن کے سامنے بھی ہاتھ جوڑنے اور عقیدت سے سر جھکانے کے لیے موجود تھے۔ دیوتاؤں سے رشتہ ملا کر غیب گوئی کا ڈھونگ رچا کر وہ ادنیٰ کسان سے لے کر بادشاہ تک ہر ایک کو اپنی مریدی کے پھندے میں پھانس سکتے تھے۔ اِس اندھیرے میں جہاں کوئی ایک آدمی بھی حق کو جاننے اور ماننے والا موجود نہ تھا، نہ تو اُن کو حق کی روشنی کہیں

سے مل سکتی تھی اور نہ کسی معمولی انسان کے بس کا یہ کام تھا کہ اِس قدر زر برست ذاتی اور خاندانی فائدوں کو لات مار کر محض سچائی کے پیچھے دنیا بھر کی مصیبتیں مول لینے پر آمادہ ہو جاتا۔ لیکن اُن کے اندر حق تک پہنچنے کے لیے طلبِ صادق موجود تھی۔ وہ در در کی ٹھوکریں کھاتے اور شہر شہر کی خاک چھانتے بالآخر مدینہ منورہ پہنچے اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کی سعادت سے فیض یاب ہوئے۔

یہ ہے اللہ کی طرف سے اطمینان دلانا اپنے نبی ﷺ کو کہ باوجود مخالفین کی طرف سے سخت رکاوٹوں کے، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ساتھی اور مددگار فراہم کرتا رہے گا۔ از خود چن کر بھی آپ کی جھولی میں ڈالے گا اور وہ لوگ کہ جو مخلص ہیں، صحیح راستے پر چلنا چاہتے ہیں اور اِس کے لیے کوشش کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اُنہیں بھی راہ یاب فرمادے گا۔

☆ آیت ۱۴:

﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا﴾ ''اور اُنہوں نے تفرقہ پیدا نہیں کیا'' ...... ﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ ''مگر اِس کے بعد کہ اُن کے پاس اصل علم آچکا تھا'' ...... ﴿بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ ''آپس کی ضد کی وجہ سے'' ...... ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ''اور (اے نبیؐ!) اگر ایک بات آپؐ کے ربّ کی طرف سے طے نہ ہو چکی ہوتی ایک مقرر وقت کے لیے'' ...... ﴿لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ ''تو اُن کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا'' ...... ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ''اور بے شک جو لوگ اُن کے بعد وارث بنے ہیں کتاب کے'' ...... ﴿لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾﴾ ''کتاب کے بارے میں ایک ایسے شک میں ہیں کہ جس نے اُن کے دلوں میں شبہ ڈال دیا ہے''۔

◆ اِس آیت میں اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت اور قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے حوالے سے اہلِ کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے طرزِ عمل کا ذکر ہے۔ نزولِ قرآن کے ابتدائی چند سال تک تو نبی اکرم ﷺ کے مخاطب صرف مکہ کے لوگ یا مشرکینِ عرب ہی رہے۔ لیکن سن ۵ یا ۶ نبوی کے قریب آپ ﷺ کی دعوت خاصی پھیل چکی تھی اور مدینہ میں آباد یہودی قبائل اور مختلف علاقوں میں آباد عیسائیوں تک پہنچ چکی تھی۔

◆ یہود کا معاملہ یہ تھا کہ وہ منتظر بیٹھے تھے کہ آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ یہود کے تین قبیلے تورات کی اِن خوشخبریوں کی بنیاد پر مدینہ منورہ منتقل ہوئے تھے کہ کھجوروں کی سرزمین

*

میں آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ یہود اُن کا استقبال کرنے اور اُن کے اوّلین ساتھی بننے کے لیے مدینہ آئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جو آخری نبی کے اوّلین ساتھی ہوں گے‘ اُن کے لیے اللہ کے ہاں کیسے کیسے انعام واکرام ہیں۔ وہ اوس اور خزرج کے قبیلوں کو دھمکایا کرتے تھے کہ آخری نبی ﷺ ظاہر ہونے والے ہیں اور ہم جب اُن کے ساتھ مل کر تم سے لڑیں گے تو تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تو وہ اچھی طرح پہچان گئے کہ یہ وہی آخری نبی ہیں جن کی بشارتیں اور پیشین گوئیاں وہ سنتے چلے آرہے تھے۔ قرآنِ مجید کی شہادت یہ ہے کہ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ (البقرۃ:۱۴۶‘ الانعام:۲۰) ”جن کو ہم نے کتاب عطا فرمائی‘ وہ اِن (نبی ﷺ) کو اِس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہوں“۔ البتہ اُن کا خیال تھا کہ آخری نبی کا ظہور بنی اسرائیل ہی میں سے ہوگا۔ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ اللہ نے آخری نبی بنی اسمٰعیل میں سے بھیج دیے ہیں تو اُن کی عزتِ نفس پر چوٹ پڑی کہ نعمت نبوت بنی اسرائیل سے کیوں چھن گئی۔ وہ نسلی تعصب کی وجہ سے ضد اور حسد کا شکار ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ اور قرآن کے خلاف سازشوں کا ارتکاب کرنے لگے۔ مشرکینِ مکہ کے ذریعہ مختلف سوالات پوچھ کر آپ ﷺ کی صداقت کا امتحان لیتے رہے اور کبھی کہتے: ﴿مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ﴾ (الانعام:۹۱) ”اللہ نے آج تک کسی انسان پر کوئی وحی نازل ہی نہیں کی“۔

◆ اہلِ کتاب میں سے دوسرا گروہ عیسائیوں کا تھا۔ عیسائی انجیل کے ساتھ ساتھ تورات پر بھی ایمان رکھتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک آنے والے تمام انبیاء علیہم السلام کو مانتے تھے۔ وہ بھی آپ ﷺ کی آمد کی پیشین گوئیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ ایک عیسائی راہب نے حضرت سلمان فارسیؓ کو یہ اطلاع دی تھی کہ جنوب میں کھجوروں کے جھنڈ میں آخری نبی کا ظہور ہوگا۔ اگر حقیقی ہدایت اور حق کی طلب ہے تو وہاں پہنچو اور اُن کی آمد کا انتظار کرو۔ جب اِن عیسائیوں تک اللہ کے نبی کی دعوت پہنچی تو اُن میں سے چند ایمان لے آئے لیکن اکثریت نے شریعت کی پابندیوں کے مقابلہ میں خواہشاتِ نفس کی پیروی کو ترجیح دی۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ آسمانی کے کچھ ہی عرصہ بعد سینٹ پال نے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کو مسخ کر دیا تھا۔ اُس نے شریعت کو ایک مصیبت قرار دے کر ساقط کر دیا تھا اور عیسائیوں کے لیے شریعت سے آزاد من چاہی زندگی کی ہر عیاشی کو جائز قرار دے دیا تھا۔

◆ نبی اکرم ﷺ کا حسنِ ظن تھا کہ مشرکینِ مکہ نے میری بات اس لیے نہیں مانی کہ اُن کے پاس حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد دو ہزار برس تک کوئی نبی آیا ہی نہیں، وہ تو کتاب اور نبوت دونوں سے نا آشنا ہیں، البتہ اہلِ کتاب کو تو فوراً لپک کر میری تصدیق کرنی چاہیے۔ یہ تو انبیاء کے نام لیوا ہیں، آخرت کے ماننے والے ہیں اور شرک کرنے کے باوجود توحید کے دعوے دار ہیں۔ شریعت کو نہ صرف مانتے ہیں بلکہ اُنہیں معلوم ہے کہ شریعت تقاضا کرتی ہے کہ اُس کا نفاذ ہو اور اُس کے مطابق فیصلے ہوں۔ اُن کے لیے تو آسمانی ہدایت کوئی انوکھی اور نئی بات نہیں، اُن کے پاس آسمانی کتابیں موجود ہیں۔ ویسی ہی ایک کتاب اب اللہ کے آخری نبی ﷺ پر نازل ہو رہی ہے جو اُن کی کتابوں کی نفی نہیں بلکہ بار بار تصدیق کر رہی ہے۔ لہٰذا اہلِ کتاب کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ بڑے پر امید تھے کہ یہ ہے وہ کھڑکی جس سے مجھے ٹھنڈی ہوا آئے گی۔ لیکن وہ کھڑکی جب کھلی تو ٹھنڈی ہوا کے بجائے وہاں سے سخت گرم لو کے تھپیڑے آنے شروع ہو گئے۔ آپ ﷺ کو بڑی حیرت تھی کہ سب کچھ جاننے کے باوجود اہلِ کتاب میری رسالت پر ایمان کیوں نہیں لا رہے؟

◆ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو اہلِ کتاب کے نہ ماننے کے سبب سے آگاہ فرما دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اہلِ کتاب نے تفرقہ پیدا کیا علم رکھنے کے باوجود یعنی جان بوجھ کر۔ مشرکین کے پاس تو علم ہے ہی نہیں لیکن اہلِ کتاب تو علم کے ٹھیکے دار ہیں۔ تفرقہ کا سبب لاعلمی نہیں بلکہ بَغْيًا بَيْنَهُمْ یعنی آپس کی ضدم ضدا ہے، اِس پر جلن کہ کوئی دوسرا کیوں آگے بڑھ گیا؟ اگر لوگوں نے اُسے بڑا مان لیا تو ہماری سیادت و قیادت اور گدی خطرہ میں آ جائے گی۔ ہمارے ہاتھ کون چومے گا؟ ہماری جوتیاں کون سیدھی کرے گا؟ ہمیں نذرانے کون پیش کرے گا؟ اِس سے پہلے کہ ہمارے مفادات کو نقصان پہنچے، آگے بڑھنے والے کے راستہ میں ہر طرح سے رکاوٹیں کھڑی کرو۔

◆ صورتِ حال آج بھی یہی ہے۔ ہمیں ہر دَور میں وہ سب کردار نظر آ جائیں گے جو کردار دورِ نبوی ﷺ میں نزولِ قرآن کے وقت تھے۔ منافق بھی ہوں گے اور مؤمنِ صادق بھی۔ ہر چہ بادا باد والے بھی ہوں گے اور وہ بھی رہیں گے کہ جن کی گاڑی قدم قدم پر knocking کرتی ہے، جو گومگو میں رہتے ہیں کہ چلیں کہ نہ چلیں؟ روشنی ہوئی تو کچھ چل لیے تاریکی ہو گئی تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ الفاظِ قرآنی کو ہر دور کے انسانوں پر منطبق کیا جا

*

سکتا ہے۔ جہاں آج کے دور میں شرک میں مبتلا لوگوں پر دین کی تعلیمات کا نفاذ بھاری ہے وہیں ایسے دنیا دار علماء اور پیر بھی ہیں جو اقامتِ دین کا مقصد لے کر اٹھنے والی تحریک کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ علمائے حق اور خوفِ خدا رکھنے والے صوفیاء بھی ہر دور میں حق کی نصرت کے لیے موجود ہوتے ہیں لیکن اکثریت کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ :

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ (التوبة:٣٤)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک علماء اور صوفیاء میں سے اکثر ایسے ہیں جو لوگوں کے مال کھاتے ہیں ناحق اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے''۔

آج نام نہاد علماء کے تفرقہ کی ایک نہیں کئی بنیادیں ہیں۔ دین کے کسی بھی داعی کے ساتھ سب کا مشترک تفرقہ یہ ہے کہ آپ کسی دارالعلوم کے سند یافتہ نہیں ہیں' آپ ہم میں سے نہیں ہیں۔ تقلیدِ جامد کی نفی کرنے اور قرآن وسنت کی پیروی کرنے پر زور دیا جائے تو غیر مقلد ہونے کا فتویٰ لگتا ہے اور اسلاف سے مضبوطی کے ساتھ جڑے رہنے کی تلقین پر شخصیت پرستی کا طعنہ دیا جاتا ہے' بقولِ اقبال : ؎

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

﴿وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیْنَھُمْ﴾

''اور (اے نبیؐ!) اگر ایک بات آپؐ کے ربّ کی طرف سے طے نہ ہو چکی ہوتی ایک مقرر وقت کے لیے تو اُن کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں ذہن میں پیدا ہونے والے ایک سوال کا جواب دیا جا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اہلِ کتاب جان بوجھ کر حق سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور تفرقہ پیدا کر رہے ہیں تو اِن پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ اِس سوال کا جواب یہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ ہر انسان اور ہر گروہ کو اصلاحِ احوال کے لیے ایک مہلت دیتا ہے۔ اِس مہلت کے دوران یا تو اصلاح کر لی جاتی ہے اور یا نافرمانی کے حوالے سے اپنی حسرتیں پوری کر لی جاتی ہیں۔ گویا آیت کے اِس حصہ میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ وہ اہلِ کتاب کے طرزِ عمل سے غمگین نہ ہوں۔ اللہ مخالفین پر حجت پوری کرنے کے لیے اُنہیں مہلت

دے رہا ہے تا کہ توبہ کرلیں یا اپنی حسرتیں پوری کرلیں۔ ہر کام کے انجام کے لیے اللہ کی مقرر کردہ ایک مدت ہوتی ہے۔ پھر اللہ کا فیصلہ آ کر رہتا ہے اور حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

◆ اہلِ کتاب کے لیے مہلت احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں قربِ قیامت تک کے لیے ہے۔ قیامت کے قریب جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو اہل کتاب میں سے باسعادت لوگ حق پر ایمان لے آئیں گے۔ اِس کے برعکس بدنصیب گروہ ایمان نہیں لائے گا اور اُن پر عذابِ استیصال آئے گا' یعنی اُن کا بالکل ہی صفایا کر دیا جائے گا۔

﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ﴿۱۴﴾﴾

''اور جو لوگ اُن کے بعد کتاب کے وارث بنیں ہیں' کتاب کے بارے میں ایک ایسے شک میں ہیں کہ جس نے اُن کے دلوں میں شبہ ڈال دیا ہے''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی کتابوں کے حامل جب دین کی دعوت کے حوالہ سے ضد اور ہٹ دھرمی کی روش پر اتر آئیں تو بعد میں آنے والے شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں اور اُن کا کتاب کی تعلیمات پر سے اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ کیا کتاب کی تعلیمات اپنے ماننے والوں پر یہ اثر ڈالتی ہیں کہ وہ آپس کی ضد میں پڑ کر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں؟

◆ یہ بات آج کے حالات میں بآسانی سمجھی جا سکتی ہے۔ آج جب مختلف مسالک کے علماء کے درمیان اختلافات محاذ آرائی کی صورت اختیار کرتے ہیں تو عام مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد دین ہی سے برگشتہ ہو جاتی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ اِن تمام مولوی صاحبان کا قرآن بھی ایک ہے اور رسول بھی ایک' لیکن اِس کے باوجود یہ ایک دوسرے کے خلاف گمراہی اور کفر کے فتوے لگا رہے ہیں۔ اِس طرزِ عمل کا نتیجہ عام لوگوں میں دین ہی سے بے اعتباری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ قرآن تو کہتا ہے کہ یہ جمع کرنے والی کتاب ہے' مگر ہمارے دینی رہنما قرآن پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے سے دور سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

◆ قرآنِ حکیم کے حوالے سے آج ہماری اکثریت شکوک وشبہات کا شکار ہے۔ اِس بات پر ہمارا حقیقی یقین نہیں کہ قرآن واقعی اللہ کی کتاب ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک طرف ہمارا یہ یقین ہو کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور دوسری طرف ہم اِس کے پڑھنے' سمجھنے اور اِس کی

*

تعلیمات پر عمل کرنے سے اعراض کریں۔ ہم باقی سب کچھ پڑھیں، انگریزی ادب میں اسکالر ہو جائیں، دنیا بھر کے علوم وفنون حاصل کرلیں، ڈاکٹری اور انجینئر نگ کی ڈگریاں حاصل کرنے میں زندگی کے کئی قیمتی سال لگا دیں، لیکن عربی پڑھنے اور قرآنِ حکیم کو سمجھنے کے لیے وقت فارغ کرنے کو تیار نہ ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمیں یہ یقین ہو کہ یہ کتاب ہماری زندگی کے ایک ایک گوشہ کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے، لیکن پھر بھی نہ انفرادی زندگی میں اس کی تعلیمات پر عمل ہو اور نہ اجتماعی زندگی میں اِن تعلیمات کے نفاذ کے لیے کوئی جدوجہد؟

☆ آیت ۱۵:

﴿فَلِذٰلِکَ فَادۡعُ﴾ ''پس (اے نبیؐ!) آپؐ اسی کی دعوت دیجیے'' ...... ﴿وَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ﴾ ...... ''اور ڈٹے رہیں جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے'' ...... ﴿وَلَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ ۚ﴾ ''اور اُن کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے'' ...... ﴿وَقُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنۡ کِتٰبٍ ۚ﴾ ''اور اُن سے کہہ دیجیے کہ میں تو ایمان لایا ہوں اُس پر جو کچھ کہ اللہ نے کتاب میں سے نازل فرمایا ہے'' ...... ﴿وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَکُمۡ ؕ﴾ ''اور مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں'' ...... ﴿اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمۡ ؕ﴾ ''اللہ ہمارا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے'' ...... ﴿لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ ؕ﴾ ''ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں'' ...... ﴿لَا حُجَّۃَ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ ؕ﴾ ''ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے'' ......﴿اَللّٰہُ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا ۚ﴾ ''اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان معاملات کو اکٹھا کرے گا'' ...... ﴿وَاِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۵﴾﴾ ''اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

﴿فَلِذٰلِکَ فَادۡعُ ۚ وَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ ۚ﴾

''پس (اے نبیؐ!) آپؐ اسی کی دعوت دیجیے اور ڈٹے رہیں جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے اور اُن کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے''۔

◆ اِس آیت میں براہِ راست خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے لیکن اِس کا رُخ آپ ﷺ کے توسط سے ہر اُس داعی کی طرف ہے جو اقامتِ دین کی جدوجہد کا بیڑا اٹھائے گا۔ یہاں رہنمائی دی جارہی ہے کہ مخالفانہ ماحول میں کرنا کیا ہے۔ اقامتِ دین کے مشن کی مخالفت مشرکین کی طرف سے بھی ہوگی، مذہب کے نام نہاد علمبردار بھی رکاوٹیں کھڑی کریں گے اور

عوام الناس بھی شکوک وشبہات کا اظہار کر کے حوصلہ شکنی کا باعث ہوں گے۔ ایسے میں ہمت نہیں ہارنی اور اپنی جدوجہد کو نہ صرف جاری رکھنا ہے بلکہ تیز سے تیز تر کرنا ہے۔ بقول اقبال: ؎

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ اِلّا اللّٰہ!

◆ یہاں انتہائی زور دار اسلوب میں حکم دیا گیا کہ **فَلِذٰلِکَ فَادْعُ** پس (اے نبیﷺ!) آپ اِسی کی دعوت دیتے رہیں''۔ ''ذٰلِکَ'' (اِسی) سے مراد ہے **اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ** یعنی دین کو قائم کرنے کی دعوت۔ مخالفین کی سازشوں، ظلم وستم اور دباؤ کی وجہ سے اقامتِ دین سے کم تر کسی مقصد کو اپنی منزل نہ بنائیے۔ سورۃ القلم میں ارشاد ہوا: ﴿**فَلَا تُطِعِ الْمُکَذِّبِیْنَ۸ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَیُدْهِنُوْنَ۹**﴾ ''پس (اے نبیﷺ!) آپ اِن جھٹلانے والوں کی باتوں میں نہ آئیے! یہ تو چاہتے ہیں کہ آپ ذرا لچک دکھائیں تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں گے''۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپﷺ دباؤ سے متاثر ہو کر کسی جزوی اصلاحی کام تک خود کو محدود کر لیں جس سے معاشرے میں ظلم وستم کرنے والوں کے مفادات کو خطرہ نہ ہو اور پھر وہ بھی آپﷺ کی مخالفت کرنا چھوڑ دیں۔

◆ اِس آیت میں مزید فرمایا: ﴿**وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ**ج﴾ ''اور آپ مضبوطی سے ڈٹے رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے''۔ یعنی اے نبیﷺ! آپ اقامتِ دین کے عظیم مشن کو جاری رکھیں خواہ مشرکین وکفار اِسے برداشت کریں یا نہ کریں۔ چاہے وہ گستاخیاں کریں، پتھر ماریں، ایذائیں پہنچائیں اور آپؐ کی جان کے دشمن بن جائیں، لیکن اِس مشن سے آپؐ ایک انچ بھی نہ ہٹیں۔ کوئی دھمکی، تشدد، مصلحت، لالچ اور سودے بازی کی پیشکش آپؐ کو متاثر نہ کرنے پائے۔ آپؐ کی کیفیت یہ ہونی چاہئے جو قرآنِ حکیم میں ﴿**اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ**﴾ اور ﴿**اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ**﴾ کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ ایک چٹان ہے جس کو ہلایا نہیں جا سکتا اور اِس کو کبھی بھی جھکنے پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں مزید فرمایا: ﴿**وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ**ج﴾ ''اور آپ (ﷺ) اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے''۔ سردارانِ قریش نے محسوس کر لیا تھا کہ ہم نے ظلم وتشدد کے ذریعہ سے اسلام کی دعوت کو دبانے کی کوشش کی لیکن ہم ناکام ہو گئے۔ تشدد سے تو بات نہیں بنی، ممکن ہے کہ لالچ سے بات بن جائے۔ لہٰذا آپﷺ کو مال ودولت کے ڈھیر دینے، مکہ کی

*

خوبصورت ترین خاتون سے شادی کرا دینے اور مکہ کا بادشاہ تسلیم کرنے کی پیشکش کی گئی۔ یعنی اُس شہرِ مکہ کا بادشاہ جو مشرکانہ نظام کا مرکز بنا دیا گیا تھا۔ مشرکانہ نظام کے سربراہ اور نگران کی حیثیت سے تو آپ ﷺ مشرکین کو قبول تھے لیکن جو نظام آپ ﷺ لانا چاہتے تھے وہ اُنہیں قبول نہیں تھا۔ اُنہوں نے مزید پیش کش کی آپ جس طرح بھی نماز پڑھنا چاہیں اور اپنے معبود کی عبادت کرنا چاہیں ہم رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔ اِن تمام پیشکشوں کے عوض ہم بس اتنا چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے آبائی دین ہمارے بتوں اور مشرکانہ نظام کی نفی کرنا ترک کر دیں۔ اِن تمام پیشکشوں کے جواب میں نبی اکرم ﷺ کو ہدایت دی گئی: ﴿وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ﴾ (اور اِن کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے)۔ لہٰذا آپ ﷺ نے سردارانِ قریش کو جواب دیا کہ ''اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دو تب بھی میں اِس دعوت سے باز نہیں آ سکتا۔ میں اِس دعوت کی تبلیغ میں اپنی جان دے دوں گا یا اللہ اِس دعوت کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے گا!''

◆ اِس کا کوئی امکان ہی نہیں تھا کہ نبی اکرم ﷺ مشرکین کی خواہشات کی پیروی کرتے۔ یہ ہدایت آپ ﷺ کے ذریعہ قیامت تک اُن امتیوں کے لیے ہے جو دین کے غلبہ کے مشن کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ دین کا راستہ روکنے والوں کی خواہشات یہ ہیں کہ بس درس دیتے رہو تقاریر کرتے رہو ذکر کی محفلیں لگاتے رہو ایمان کی دعوت دیتے رہو قرآن پڑھنے اور پڑھانے کی ترغیب دیتے رہو قرآن اکیڈمی تو کیا قرآن یونیورسٹی بنا لو۔ اِن مقاصد کے لیے ہر طرح کا مالی تعاون بھی پیش کر دیا جائے گا لیکن اِس شرط پر کہ اقامتِ دین کی بات مت کرو۔ نظام کو نہ چھیڑو۔ نظام جوں کا توں رہے۔ نظام کے ساتھ وابستہ مفادات پر کوئی آنچ نہیں آنی چاہیے۔ لہٰذا فرمایا گیا کہ تا قیامِ قیامت اللہ کی ہدایت ہمارے لیے بھی یہی ہے کہ حق کی راہ پر ڈٹے رہو اور اُن کی خواہشات کی پیروی مت کرو۔

﴿وَقُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنۡ كِتٰبٍ﴾

''اور (اُن سے) کہہ دیجیے کہ میں تو ایمان لایا ہوں اُس پر جو کچھ کہ اللہ نے کتاب میں سے نازل فرمایا ہے''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کر دیجیے کہ میں تو ایمان رکھتا ہوں اُس کتاب پر جو اللہ نے نازل فرمائی ہے۔ کتاب پر

ایمان کا تقاضا ہے کہ میں اِس کی تعلیمات کو نافذ کروں اور اُن کے مطابق فیصلہ کروں۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۰۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّـآ اَنْزَلْنَـآ اِلَـیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰٹکَ اللّٰهُ﴾

''بے شک (اے نبیؐ!) ہم نے آپؐ پر نازل کی ہے کتاب حق کے ساتھ تاکہ آپؐ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اُس بصیرت کی بنیاد پر جو اللہ نے آپؐ کو عطا کی ہے''۔

کتاب کی تعلیمات کو نافذ نہ کرنا ایمان کے منافی ہی نہیں بلکہ کفر، شرک اور اللہ کے احکامات کے حوالے سے بغاوت ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ)

''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں''۔

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (المائدۃ)

''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ ظالم (یعنی مشرک) ہیں''۔

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (المائدۃ)

''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ فاسق (یعنی باغی) ہیں''۔

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَـکُمْ﴾

''اور مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں نبی اکرم ﷺ کی دعوت کا ہدف بیان کیا جا رہا ہے۔ وہ ہدف ہے قیامِ عدل۔ آپ ﷺ کا مشن صرف وعظ و نصیحت نہیں بلکہ معاشرے میں جاری ظلم کے خلاف آواز اُٹھانا، ایک تحریک برپا کرنا اور پھر ظلم کو مٹا کر ایک عادلانہ نظام قائم کرنا تھا۔ ایسا نظام جس میں مرد اور عورت، جماعت اور فرد، اجتماعیت اور انفرادیت، سرمائے اور محنت، حکومت اور شہریوں کے درمیان حقوق و فرائض کا عادلانہ تعین ہو۔ کوئی طبقہ کسی دوسرے طبقہ پر زیادتی نہ کرے۔

◆ ایک واعظ کی دعوت اور رسول کی دعوت میں بنیادی فرق یہ ہوتا ہے کہ وعظ کہنے والا

*

وعظ کہتا ہے اور پھر اپنا راستہ لیتا ہے۔ رسول صرف وعظ نہیں کہتا بلکہ انفرادی زندگی میں اپنی پیش کردہ تعلیمات پر عمل کا مطالبہ کرتا ہے اور اجتماعی زندگی میں اُن کے نفاذ کے لیے بھرپور جدوجہد کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ محض واعظ اور مبلغ بن کر نہیں آئے تھے بلکہ اُن کا مشن تھا کہ اللہ کا عطا کردہ نظامِ عدل قائم فرمائیں۔ یہ حقیقت قرآنِ حکیم میں تین بار یعنی سورۃ التوبۃ آیت ۳۳، سورۃ الفتح آیت ۲۸ اور سورۃ الصّف آیت ۹ میں اِس طرح واضح کی گئی کہ :

﴿هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ﴾

''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول ؐ کو کامل ہدایت اور سچّے دین کے ساتھ تاکہ وہ اس کو غالب کردے کل نظامِ زندگی پر۔''

یہ آیت واضح کررہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا مشن محض وعظ ونصیحت اور درس وتدریس نہ تھا۔ آپ ﷺ کا مشن انقلابی تھا، جس کا مقصد نظامِ باطل کو جڑ سے اکھاڑنا اور اِس کی جگہ نظامِ عدل کو قائم فرمانا تھا۔ آپ ﷺ نے محض تبلیغ اور تزکیہ وتربیت کا عمل ہی نہیں کیا بلکہ اِس کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھیوں کو میدان میں لاکر انہیں باطل سے بھی ٹکرایا اور جزیرہ نمائے عرب کی حد تک ایک مثالی نظامِ عدل قائم فرمادیا۔ اِس کے بعد آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری اُمت کے سپرد فرمادی۔ آج ہم نے کتاب اللہ سے رہنمائی اور ہدایت لینا چھوڑ دی۔ اِسے صرف حصولِ ثواب اور ایصالِ ثواب کا ذریعہ بنالیا اور اِسے ریشمی جزدانوں میں لپیٹ کر احتراماً طاقوں کی زینت بنادیا۔ لہٰذا ہماری اکثریت اُس اعلیٰ مقصد ہی کو فراموش کربیٹھی جو نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا مقصد تھا اور اب وہ ہماری ذمہ داری ہے۔ اِن شاء اللہ اِس حوالے سے مزید تفصیلات اگلے درس میں سامنے آئیں گی جس کا موضوع ہے ''اقامتِ دین کا حاصل ـــــ قیامِ عدل''۔

﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ‌ؕ لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَـكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ‌ؕ لَا حُجَّةَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمُ‌ؕ اَللّٰهُ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا‌ۚ وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ؁۱۵﴾

''اللہ ہمارا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان معاملات کو اکٹھا کرے گا، اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

◆ آیت کے اِس آخری حصہ میں مخالفین کو مخالفت ترک کرنے کے لیے بڑے دلنشین

اسلوب میں دعوت دی گئی ہے۔ خطاب کے اِس انداز میں اُن لوگوں کے لیے جو دین کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں‘ ایک بہت بڑا سبق ہے۔ مخالفین کے سامنے سب سے پہلے ایک ایسی حقیت رکھی گئی ہے جو باہم قدرِ مشترک ہے‘ یعنی ﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ﴾ ’’اللہ ہمارا ربّ ہے اور تمہارا ربّ بھی!‘‘ اُس رب کی خوشنودی کے لیے ہم بھی عمل کر رہے ہیں اور تم بھی عمل کر رہے ہو۔ ہمارے عمل کا بدلہ ہمیں ملے گا اور تمہارے عمل کا بدلہ تم پاؤ گے۔ ہمیں باہم جھگڑا‘ دلیل بازی اور بحث وتکرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاشوں کو کسی کارِ خیر کے لیے مختلف اعتبارات سے مفید بنانے کے لیے جمع کر دے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہمیں دنیا میں باہم ملا دے‘ ورنہ آخرت میں تو ہمیں جمع ہونا ہی ہے‘ کیونکہ سب کو لوٹ کر اُسی اللہ کی طرف جانا ہے۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے قائم ہونے والی جماعت کے لیے یہ ہدایت ہے کہ دیگر ہم عصر دینی جماعتوں یا شخصیات کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ مذکورہ بالا طرزِ عمل سے دوسروں کی کاوشوں کا اعتراف ہوتا ہے اور باہم ضد کی کیفیت ختم ہوتی ہے۔ ﴿اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا﴾ ’’اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان معاملات کو اکٹھا کرے گا‘‘ کے الفاظ میں اِس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ اگر تم بھی دین کا کام کر رہے ہو اور ہم بھی کر رہے ہیں تو خواہ علیحدہ علیحدہ اور اپنے اپنے طور پر کریں‘ ہم سب کا کام اسلام ہی کے حق میں جمع ہو رہا ہے۔ پھر اگر مطلوب ومقصود اللہ کی قربت کا حصول ہے تو جتنا جتنا اللہ یعنی مرکزِ اطاعت ومحبت کے قریب ہوں گے‘ اتنا باہم بھی قریب ہوتے جائیں گے۔ اگر ہم یہاں نہ بھی جمع ہوئے تو قیامت کے میدان میں تو جمع ہوں گے ہی! کیا ضروری ہے کہ سارے معاملات یہیں چکا دیے جائیں؟ وہاں تمام فیصلے حق کے ساتھ کر دیے جائیں گے۔

☆ آیت ۴۷:

﴿اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ﴾ ’’اپنے ربّ کی پکار پر لبیک کہو‘‘ ...... ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ﴾ ’’اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے کہ جسے پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے پھیرا نہ جا سکے گا‘‘ ...... ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ﴾ ’’اُس روز تمہارے لیے نہ کوئی پناہ گاہ ہوگی‘‘ ...... ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿٤٧﴾﴾ ’’اور نہ ہی تمہاری طرف سے کوئی انکار کرنے والا ہوگا‘‘۔

﴿اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ﴾

*

''لبیک کہو اپنے ربّ کی پکار پر''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں اللہ کی پکار پر لبیک کہنے کی پُرزور دعوت دی گئی ہے۔ اِس پوری سورۃ میں جمع کے اسلوب میں صرف ایک ہی حکم اِس سے قبل آیا اور وہ ربّ کی پکار ہے' یعنی ﴿اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡهِ﴾ ''دین کو قائم کرو اور اِس معاملہ میں جدا جدا نہ ہو جاؤ''۔ اللہ پکار رہا ہے کہ آؤ اور میرے دین کے غلبہ کے لیے اپنا سب کچھ لگا دو۔ گومگو میں نہ رہو اور تاخیر نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ حق کو قبول کرنے اور اس کا ساتھ دینے کی توفیق ہی سلب کر لے۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں :

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوۡلُ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ﴿۲۴﴾﴾ (الانفال)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لبیک کہو اللہ اور اُس کے رسول کی پکار پر جب وہ تمہیں پکارے تا کہ اُس کے ذریعے سے اللہ تمہیں (پاکیزہ) زندگی دے۔ جان لو اللہ حائل ہو جایا کرتا ہے بندے اور اُس کے دل کے درمیان اور اُسی اللہ کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے''۔

﴿وَنُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَهُمۡ وَاَبۡصَارَهُمۡ کَمَا لَمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ﴿۱۱۰﴾﴾ (الانعام)

''اور ہم الٹ دیں گے اُن کے دل اور اُن کی نگاہیں جیسا کہ اُنہوں نے پہلی مرتبہ نہیں مانا' اور پھر ہم ان کو چھوڑ دیتے ہیں اور وہ اپنی سرکشی میں بھٹکے چلے جاتے ہیں''۔

﴿مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾

''اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے کہ جسے پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے پھیرا نہ جا سکے گا''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں فرمایا ربّ کی پکار پر لبیک کہنے کے حوالے سے تاخیر نہ کرو' ایسا نہ ہو کہ اچانک تم پر تمہاری موت کا دن آجائے اور اُس دن کو پھر پھیرا نہ جا سکے۔ یہ دن لازماً آ کر رہے گا اور اُسے ٹالا بھی نہ جا سکے گا۔ غفلت کا شکار انسان اُس روز اللہ سے فریاد کرے گا کہ :

﴿رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ﴿۱۰﴾ وَلَنۡ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۱﴾﴾ (المنٰفقون)

''اے میرے ربّ! تو نے مجھے کیوں نہیں مہلت دی ایک قریبی مدت تک کے لیے کہ میں صدقہ کرتا اور میں ہو جاتا نیکوں کاروں میں سے؟اور اللہ تعالیٰ کسی بھی جان کو مہلت نہیں دیتا جب کہ اُس کا وقت آ جاتا ہے۔اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے''۔

﴿رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا ؕ اِنَّہَا کَلِمَۃٌ ہُوَ قَآئِلُہَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِہِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ (المؤمنون)

''اے میرے ربّ! مجھے لوٹا دے تاکہ میں اچھا عمل کروں اُس میں جو کچھ کہ میں چھوڑ کر مر رہا ہوں۔ ہرگز نہیں' یہ ایک بات ہے جو کہ وہ اِس سے پہلے بھی کہا کرتا تھا اور اِس کے بعد اُن کے پیچھے ہے برزخ اُس دن تک کے لیے کہ جس روز وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے''۔

﴿مَالَکُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ یَّوْمَئِذٍ وَّمَالَکُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ ﴿۴۷﴾﴾

''اُس روز تمہارے لیے نہ کوئی پناہ گاہ ہوگی اور نہ ہی تمہاری طرف سے کوئی انکار کرنے والا ہوگا''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں لرزا دینے والا مضمون ہے۔ اگر غفلت کے دوران ہی انسان کی موت آ گئی تو اب اُس کے لیے نہ کوئی پناہ گاہ ہوگی اور نہ ہی کوئی ایسا حمایتی جو اُس کے گناہوں کا انکار کر دے یا اُس کا دفاع کر سکے۔ ''ملجا'' کہتے ہیں اُس پناہ گاہ کو جہاں آدمی جا کر کسی کی پناہ لے لیتا ہے۔ بچے کو اگر ماں مار رہی ہو تو بچہ بھاگتا نہیں ہے' بلکہ ماں ہی سے لپٹتا ہے۔ ماں اگرچہ مار رہی ہے' لیکن وہ جائے کہاں! کس کی پناہ پکڑے؟ انسان کے لیے حقیقی پناہ صرف اللہ ہی کے در پر ہے۔ بخاری و مسلم میں نبی اکرم ﷺ کی تلقین کردہ ایک ایمان افروز دعا کے الفاظ ہیں: ((**لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ**..)) ''اے اللہ! تجھ سے بچنے اور بھاگ کر جانے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں مگر صرف تیری ہی طرف......''۔ یعنی صرف تیرے ہی دامنِ عفو کے اندر آ کر پناہ مل سکتی ہے!

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی' جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں!

◆ بلاشبہ جب موت کا فرشتہ آ جائے گا تو اُس روز اللہ کی پکڑ سے بچنے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹھکانہ تو آج بھی کوئی نہیں ہے' لیکن آج کچھ سراب نظر آ رہے

*

ہیں جو ہم نے اپنے جی سے گھڑ لیے ہیں۔ کچھ شفاعتِ باطلہ کے تصورات ہیں یا کچھ اور اللہ کی رحمت یا خاندانی تقدس کے خود ساختہ تصورات کو اپنے ذہنوں کے اندر پناہ گاہیں بنایا ہوا ہے۔ روزِ قیامت جب اللہ کے سامنے پیشی ہوگی تو اِن تصورات کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔ اِس دنیا میں بھی پیشیاں ہوتی ہیں۔ اِن سے بچنے کے بیسیوں طریقے ہمیں آتے ہیں۔ کبھی صاف انکار کر دیا جاتا ہے کہ میں نہیں آتا۔ کبھی سمن لانے والے کو رشوت دے دی جاتی ہے اور وہ نوٹ لکھ دیتا ہے کہ سمن نہیں دیا جا سکا۔ کبھی جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کر کے پیشی سے بچا جاتا ہے۔ لیکن وہ پیشی جو آنے والی ہے اُس سے بچا نہیں جا سکتا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾﴾ (الجمعة)

''(اے نبی ﷺ!) اِن سے کہیے کہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو، تم سے ملاقات کر کے رہے گی، پھر تم لوٹائے جاؤ گے اُس ہستی کی طرف جو کھلے اور چھپے کی جاننے والی ہے، وہ ہستی تمہیں جتلا دے گی جو کچھ کہ تم کرتے رہے ہو''۔

◆ دنیا میں مجرم کسی بڑے چوہدری کے گھر میں یا کسی سفارت خانہ میں یا کسی اور ملک میں بھاگ کر پناہ لے سکتا ہے، لیکن موت والے روز یہ حقیقت کھل جائے گی کہ غافل انسان کے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں۔ دنیا میں کئی لوگ جھوٹی گواہیاں دے کر یا ناجائز سفارش کے ذریعہ سزا سے بچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، لیکن اللہ کے سامنے کوئی بھی مجرم کا دفاع یا حمایت کرنے والا نہ ہوگا۔

◆ تنظیم اسلامی کے رفقاء وہ خوش نصیب لوگ ہیں کہ جن کے سامنے اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے پکار آئی اور انہوں نے اِس پر لبیک کہہ کر تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی۔ ہم سب کو اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ کیا واقعی ہم نے دل سے اِس پکار پر لبیک کہا ہے! کیا واقعی ہم دل و جان سے اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں! اگر ایسا نہیں ہے تو اندیشہ ہے کہ پھر یہ خوش قسمتی ہمارے لیے بدبختی کا باعث نہ بن جائے۔ موت کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ ہماری خوش نصیبی اِسی صورت میں قائم رہے گی اگر ہم نے موت سے پہلے پہلے واقعتاً اِس پکار پر لبیک کہا۔ اللہ ہمیں تن، من، دھن سے اپنے دین کے غلبہ کے لیے کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆ آیت ۴۸:

﴿فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا﴾ ''پھر اگر وہ اعراض کریں''...... ﴿فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا﴾ ''تو (اے نبیؐ) ہم نے آپؐ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا''...... ﴿اِنۡ عَلَیۡکَ اِلَّا الۡبَلٰغُ﴾ ''آپؐ کے ذمے نہیں ہے مگر صرف پہنچا دینا''...... ﴿وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَۃً فَرِحَ بِہَا﴾ ''اور جب ہم انسان کو مزا چکھاتے ہیں اپنی رحمت سے اِس پر وہ بہت خوش ہوتا ہے''...... ﴿وَاِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ﴾ ''اور جب اُن کو پہنچتی ہے کوئی تکلیف بسبب اُن اعمال کے جو کہ اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں''...... ﴿فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ کَفُوۡرٌ ۴۸﴾ ''تو پھر بے شک انسان ناشکرا ہو جاتا ہے''۔

﴿فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا﴾

''پھر اگر وہ اعراض کریں تو (اے نبیؐ) ہم نے آپؐ کو اِن پر نگران بنا کر نہیں بھیجا''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں نبی اکرم ﷺ کے لیے دلجوئی کا بیان ہے۔ آپ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اگر آپ ﷺ کی دعوت کے جواب میں یہ لوگ مُنہ موڑتے ہیں تو ہم نے آپ کو اِن پر نگران اور ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ اگر یہ سب کچھ سن کر ٹس سے مس نہ ہوں تو اے نبی ﷺ! آپ غمگین نہ ہوں۔ اُن کو اللہ کے ہاں اپنی جواب دہی خود کرنی ہوگی اور آپؐ کو اپنی۔ اللہ آپؐ سے یہ نہیں پوچھے گا کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے۔ ہاں آپؐ سے صرف یہ پوچھا جائے گا کہ آپ نے اُن تک حق پہنچا دیا یا نہیں۔ آپ ﷺ نے چونکہ حق پہنچا دیا ہے تو اب آپ ﷺ بریٔ الذمہ ہیں۔ کوئی مانے گا تو اپنے لیے' نہیں مانے گا تو اپنے لیے۔ ﴿لَہَا مَا کَسَبَتۡ وَعَلَیۡہَا مَا اکۡتَسَبَتۡ﴾ یعنی جس نے خیر کمایا تو اپنے لیے اور جس نے شر کمایا تو اپنے لیے۔

﴿اِنۡ عَلَیۡکَ اِلَّا الۡبَلٰغُ﴾

''آپؐ کے ذمے تو نہیں ہے مگر صرف پہنچا دینا''۔

آیت کے اِس حصہ میں یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ نبی اکرم ﷺ کی ذمہ داری صرف اور صرف واضح طور پر حق کو پہنچا دینا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۟ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ﴾

(الکھف:۲۹)

''اور کہہ دو کہ (لوگو!) یہ قرآن تمہارے ربّ کی طرف سے برحق ہے' تو جو چاہے

*

ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں ہر داعی کے لیے بھی رہنمائی ہے کہ اُس کا کام صرف دعوتِ حق پہنچانا ہے منوانا نہیں۔ مندرجہ بالا حقیقت پیشِ نظر نہ ہو تو بعض اوقات داعی بات کو منوانے کے لیے مکمل حق بیان نہیں کرتا یا اپنے اصولوں کو توڑ کر لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرنے لگتا ہے۔

﴿وَاِنَّا اِذَا اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝۴۸﴾

''اور جب ہم انسان کو مزا چکھاتے ہیں اپنی رحمت سے اِس پر وہ بہت خوش ہوتا ہے' اور جب اُن کو پہنچتی ہے کوئی تکلیف بسبب اُن اعمال کے جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں' تو پھر بے شک انسان ناشکرا ہو جاتا ہے''۔

◆ آیت کے اِس حصہ میں واضح کیا گیا کہ دینی ذمہ داریوں سے انسان کے اعراض کا اصل سبب کیا ہے۔ جب اللہ انسان کو اپنی رحمت اور فضل سے نوازتا ہے تو وہ اترانے لگتا ہے اور عیش میں پڑ کر اللہ' اُس کے احکامات اور آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتا ہے:

ظفر آدمی اُس کو نہ جانیے گا' وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی' جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

جب اللہ انسان کو غفلت کی سزا دیتا ہے اور اُس کے گناہوں کی پاداش میں اُس پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے تو پھر وہ انتہائی ناشکرا اور مایوس ہو کر رہ جاتا ہے۔ اُس کی کمر ہمت ٹوٹ کر رہ جاتی ہے۔ وہ مصائب کو دینی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کا جواز بنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِن دونوں حالتوں کو امتحان سمجھتے ہوئے شکر اور صبر کی توفیق' اپنے طرزِ عمل میں اعتدال اور توازن کی کیفیت اور ہر حال میں اپنی دینی ذمہ داریاں ادا کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین!

اِحســان

اپنے معنیٰ و مفہوم کے تناظر میں

عتیق الرحمٰن صدیقی

امام راغب اصفہانی ؒ لکھتے ہیں کہ: ''اَلْاِحْسَانُ''(افعال) دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اوّل یہ کہ دوسروں پر انعام کرنا۔ کہا جاتا ہے: 'اَحْسَنَ اِلٰی فُلَانٍ' اس نے فلاں پر انعام کیا۔ دوم یہ کہ اپنے فعل میں حسن پیدا کرنا اور یہ چیز حسن علم اور حُسن عمل سے پیدا ہوتی ہے''۔ (مفردات القرآن)

مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ: ''عربی میں احسان کے معنی اچھا کام کرنے اور کسی کام کو اچھے طریقے سے کرنے کے ہیں۔ اردو میں ہم احسان کا لفظ جن معنوں میں بولتے ہیں عربی میں جب خاص وہ معنی مراد ہوں گے تو عموماً اس کا استعمال مشتقات میں 'اِلٰی' یا 'بِ' کے صلہ کے ساتھ ہوگا''۔ (سیرت النبیؐ ، جلد ششم)

صاحب تفہیم القرآن ''احسان'' کے لفظ کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''احسان کا لفظ حسن سے نکلا ہے جس کے معنی کسی کام کو خوبی سے کرنے کے ہیں۔ عمل کا ایک درجہ یہ ہے کہ آدمی کے سپرد جو خدمت ہو اُسے بس کر دے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اُسے خوبی کے ساتھ کرے، اپنی پوری قابلیت اور اپنے تمام وسائل اس میں صرف کر دے اور دل و جان سے اس کی تکمیل کی کوشش کرے۔ پہلا درجہ محض طاعت کا درجہ ہے جس کے لیے صرف تقویٰ اور خوف کافی ہو جاتا ہے اور دوسرا درجہ احسان کا ہے جس کے لیے محبت اور گہرا قلبی لگاؤ درکار ہوتا ہے''۔ (تفہیم القرآن، جلد اوّل، ص ۱۵۳)

مولانا صلاح الدین یوسف سورۃ النحل کی آیت ۹۰ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ کے تفسیری حاشیہ میں احسان کی توضیح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''احسان کے ایک معنی حسن سلوک، عفو و درگزر اور معاف کر دینے کے ہیں۔ دوسرے

معنی تفضّل کے ہیں، یعنی حق واجب سے زیادہ دینا یا عملِ واجب سے زیادہ عمل کرنا' مثلاً کسی کام کی مزدوری سو روپے طے ہے لیکن دیتے وقت ۱۰' ۲۰ روپے زیادہ دے دینا' طے شدہ سو روپے کی ادائیگی حق واجب ہے اور یہ عدل ہے۔ مزید ۱۰' ۲۰ روپے یہ احسان ہے۔ عدل سے بھی معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے لیکن احسان سے مزید خوشگواری اور اپنائیت وفدائیت کے جذبات نشو ونما پاتے ہیں۔ اور فرائض کی ادائیگی کے ساتھ نوافل کا اہتمام عملِ واجب سے زیادہ عمل ہے جس سے اللہ کا قربِ خصوصی حاصل ہوتا ہے۔ احسان کے ایک تیسرے معنی اخلاصِ عمل اور حسن عبادت ہے جس کو حدیث میں ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ)) اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو......) سے تعبیر کیا گیا ہے''۔ (القرآن الحکیم' ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی و تفسیری حواشی از مولانا صلاح الدین یوسف)

اسی آیۂ کریمہ کے ضمن میں صاحب ضیاء القرآن لکھتے ہیں:

''حضورﷺ سے احسان کی یہ تعریف منقول ہے: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ' فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ)) یعنی تو اپنے ربّ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے' اور اگر مراقبہ کی یہ کیفیت نہ پیدا ہو سکے تو کم از کم یہ تو یقین کر لے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اربابِ قلوب میں سے اعلیٰ درجہ کے لوگ عبادت کرتے وقت کَاَنَّکَ تَرَاہُ پر فائز ہوتے ہیں اور بعض کی رسائی اس مقام تک نہیں ہوتی لیکن فَاِنَّہٗ یَرَاکَ کی لذتوں سے وہ بھی محظوظ ہوتے ہیں''۔ (ضیاء القرآن' جلد دوم)

سید مودودیؒ نے سورۃ النحل کی مذکورہ آیت کے ذیل میں ''احسان'' کی بڑی خوبصورت تشریح فرمائی ہے:

''......دوسری چیز احسان ہے جس سے مراد ہے نیک برتاؤ' فیاضانہ معاملہ' ہمدردانہ رویّہ' رواداری' خوش خلقی' درگزر' باہمی مراعات' ایک دوسرے کا پاس ولحاظ' دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا ہے۔ یہ عدل سے زائد ایک چیز ہے جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور اس کا کمال ہے۔ عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوشگواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے۔ کوئی معاشرہ صرف اس بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر فرد ہر وقت ناپ تول کر کے دیکھتا رہے کہ اس کا کیا حق ہے اور اسے وصول کر کے چھوڑے' اور دوسرے کا کتنا

حق ہے اور اسے بس اتنا ہی دے دے۔ ایسے ایک ٹھنڈے اور کھرے معاشرے میں کشمکش تو نہ ہوگی مگر محبت اور شکر گزاری اور عالی ظرفی اور ایثار اور اخلاص و خیر خواہی کی قدروں سے وہ محروم رہے گا جو دراصل زندگی میں لطف و حلاوت پیدا کرنے والی اور اجتماعی محاسن کو نشو و نما دینے والی قدریں ہیں''۔ (تفہیم القرآن' جلد دوم' ص ۵۶۵)

مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:

''حضرت جبرئیلؑ کی مشہور حدیث میں خود آنحضرت ﷺ نے احسان کے جو معنی بیان فرمائے ہیں' وہ احسان عبادت کے لیے ہے۔ اس ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو' اور اگر استحضار کا یہ درجہ نصیب نہ ہو تو اتنی بات کا یقین تو ہر شخص کو ہونا ہی چاہیے کہ حق تعالیٰ اس کے عمل کو دیکھ رہے ہیں' کیونکہ یہ تو اسلامی عقیدہ کا اہم جزء ہے کہ حق تعالیٰ کے علم و بصر سے کائنات کا کوئی ذرہ خارج نہیں رہ سکتا''۔ (معارف القرآن' جلد پنجم' ص ۳۷۸' تفسیر سورۃ النحل' آیت ۹۰)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ:

''احسان کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذاتِ خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے۔ مقامِ عدل و انصاف سے ذرا اور بلند ہو کر فضل و عفو اور تلطّف و ترحّم کی خو اختیار کرے۔ فرض ادا کرنے کے بعد تطوّع و تبرّع کی طرف قدم بڑھائے' انصاف کے ساتھ مروّت کو جمع کرے اور یقین رکھے کہ جو کچھ بھلائی کرے گا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ ادھر سے بھلائی کا جواب ضرور بھلائی کی صورت میں ملے گا: ((اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ' فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ)) (صحیح بخاری) ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾﴾ (الرحمٰن)''۔ (تفسیر عثمانی' سورۃ النحل: ۹۰)

قرآن حکیم میں بارہ مقامات ایسے ہیں جہاں احسان کا لفظ استعمال ہوا ہے' اس کے علاوہ متعدد جگہوں پر اس کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ کتاب اللہ میں کہیں تو احسان کا ذکر ایمان کے ساتھ ہوا ہے' کہیں اسلام کے ساتھ اور کہیں تقویٰ اور عمل کے ساتھ۔ چند آیات ملاحظہ فرمائیے:

☆ ایمان کے ساتھ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣٠﴾﴾ (الکھف) ''یقیناً جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں تو یقیناً ہم نیکوکار (محسن) لوگوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے۔''

☆ اسلام کے ساتھ: ﴿بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪﴾ (البقرۃ: ۱۱۲) ''حق یہ ہے کہ جو بھی مسلم ہو جائے یعنی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں

سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے‘ اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے۔‘‘

☆ تقویٰ کے ساتھ: ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس:٢٦) ’’جن لوگوں نے بھلائی کا طریقہ اختیار کیا‘ ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید فضل بھی۔‘‘

حضور نبی کریمﷺ نے احسان کو حسنِ اسلام سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

((مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ)) (١)

’’آدمی کے بہترین اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ فضولیات سے کنارہ کش رہے۔‘‘

یعنی ایک مسلمان کے کمالِ اسلام کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی اقوال وافعال اور اعمال سے گریز کرے‘ بے معنی اُمور میں اپنے آپ کو ملوّث کرنے سے احتراز کرے‘ اس کی نگاہ اصلی نصب العین پر جمی رہے۔ وہ ہر عمل اس احساس کے ساتھ بجالائے کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے‘ وہ علیم بذات الصدور ہے‘ کوئی چیز اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾﴾ (قٓ)

’’ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں‘ ہم اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ (اور ہمارے اس براہِ راست علم کے علاوہ) دو کاتب اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں۔ کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔‘‘

ایک متقی اور محسن آدمی خاصا محتاط اور چوکنا ہوتا ہے‘ وہ نہ صرف اپنی گفتگو میں احتیاط کرتا ہے بلکہ ہر جگہ اللہ کی موجودگی کا احساس اسے لایعنی امور سے مجتنب رکھتا ہے۔ بے مقصد‘ لچر اور بے ہودہ چیزوں سے وہ اپنا دامن بچائے رکھتا ہے۔ وہ بعض مباح چیزوں میں بھی ضرورت سے زیادہ اپنے آپ کو مشغول نہیں رکھتا۔ اوقات کی قدر و قیمت اس کے پیشِ نظر ہوتی ہے‘ احسان کے مرتبہ کا اسے ادراک ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ احسان کی منزل سے مشرف رہے۔

قرآن وسنت کی تعلیمات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں

---

(١) سنن الترمذی‘ کتاب الزھد عن رسول اللہﷺ‘ باب فیمن تکلم بکلمۃ یضحک بھا الناس۔

احسان کا التزام ضروری ہے۔ ابویعلیٰ شداد بن اَوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ ' فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَۃَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہٗ فَلْیُرِحْ ذَبِیْحَتَہٗ))(۲)

''ہر چیز کے ساتھ حسن سلوک کو اللہ تعالیٰ نے فرض کر دیا ہے' لہٰذا جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو' تمہیں اپنی چھری تیز کر لینی چاہیے اور اپنے جانور کو آرام پہنچانا چاہیے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز میں احسان کا عام حکم دے کر تین چیزوں کا بطورِ خاص ذکر فرمایا ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات ایسے ہیں جن سے عیاں ہوتا ہے کہ مسلمان کی زندگی کا احسان کی صفت سے متصف ہونا ضروری ہے۔ مذکورہ حدیث میں فرمایا گیا کہ جب قصاص میں کسی مسلمان کو قتل کیا جائے تو آلۂ قصاص استعمال کیا جائے' اسی آلہ سے قتل نہ کیا جائے جس سے اس نے قتل کیا تھا۔ اسی طرح ذبح کرتے وقت چھری کو خوب تیز کر لیا جائے۔ گویا ممکنہ حد تک ذبیحہ کو آرام پہنچانے کی کوشش کی جائے' جب تک اس کی جان نہ نکل جائے اس کا کوئی عضو نہ کاٹا جائے۔ عبادات میں احسان کا مفہوم سطورِ بالا میں واضح کیا جا چکا ہے۔

انفاق اور زکوٰۃ میں احسان سے کام لینے کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴿۱۹۵﴾﴾ (البقرۃ)

''اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو' اور احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔''

﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (المزمل: ۲۰)

''نماز قائم کرو' زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو۔''

والدین کے ساتھ احسان کرنے کی ہدایت فرمائی گئی:

﴿وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسٰنًا﴾ (الاحقاف: ۱۵)

''ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ احسان کرے۔''

(۲) صحیح مسلم' کتاب الصید والذبائح وما یوکل من الحیوان' باب الامر باحسان الذبح والقتل وتحدید شفرۃ۔

﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ (الاسراء:۲۳)

''تیرے ربّ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اُس کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک (احسان) کرو۔''

معاشرت میں احسان کا انداز اپنانے کی تلقین کی گئی' فرمایا:

﴿وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِھَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَآ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَھُمَا صُلْحًا ط وَالصُّلْحُ خَیْرٌ ط وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ط وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۲۸﴾﴾ (النساء)

''اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بدسلوکی یا بے رخی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ میاں اور بیوی (کچھ حقوق کی کمی بیشی پر) آپس میں صلح کر لیں۔ صلح بہر حال بہتر ہے۔ نفس تنگ دلی کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں' لیکن اگر تم لوگ احسان سے پیش آؤ اور خدا ترسی سے کام لو تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارے اس طرزِ عمل سے بے خبر نہ ہوگا۔''

دوسرے لوگوں کے ساتھ احسان کرنے کی ترغیب دی گئی جن کو معاشرے میں بالعموم نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ لا وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ﴿۳۶﴾﴾ (النساء)

''اور تم سب اللہ کی بندگی کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ' ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو' قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے' اجنبی ہمسایہ سے' پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور اُن لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں' احسان کا معاملہ رکھو۔''

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

((وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ' وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ' وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ)) قِیْلَ وَمَنْ ذَاکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: ((اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ))[۳]

---

(۳) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب اثم من لا یأمن جارہ بوایقہ۔

''اللہ کی قسم! وہ مؤمن نہیں ہوسکتا' اللہ کی قسم! وہ مؤمن نہیں ہوسکتا' اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں ہوسکتا''۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! کون؟ آپؐ نے فرمایا: ''جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں ہے۔''

معاملات میں احسان کا وطیرہ اختیار کرنے کی ہدایت یوں فرمائی:

﴿وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلاً ﴿۳۵﴾﴾ (بنی اسراء یل)

''اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو' یہ اچھا طریقہ ہے اور بلحاظِ انجام بھی بہتر ہے۔''

قصاص میں احسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿...... فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۷۸)

''...... ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لیے تیار ہو تو معروف طریقے کے مطابق خون بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور قاتل کو لازم ہے کہ راستی کے ساتھ خون بہا ادا کرے۔''

فرمایا کہ اخلاقیات میں احسان کا رویہ اپناؤ۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳﴾﴾ (المائدۃ)

''انہیں معاف کرو اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہو۔ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روش رکھتے ہیں۔''

قرآن حکیم نے حسنِ کلام کی ترغیب دیتے ہوئے کہا:

﴿وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ؕ﴾ (النحل:۱۲۵)

''اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے سے جو بہترین ہو۔''

اور ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ق﴾ (العنکبوت:۴۶)

''اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے۔''

گویا دعوت و تبلیغ' تبادلۂ خیال اور بحث و تمحیص میں ملائمت اور ملاطفت کا رویہ اپناؤ۔ قرآن مجید نے دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک روا رکھنے کا طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی:

﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾﴾ (حٰمٓ السجدة)

''اور (اے نبیؐ!) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، تب تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔''

ان تمام تر آیات کریمہ اور احادیثِ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کی پوری زندگی احسان کی خصوصیت سے عبارت ہونی چاہیے۔ معاشرے میں مؤانست، حلاوت اور ہمدردانہ رویے سے روابط و تعلقات میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے۔

احسان دراصل بھلائی کے ہم معنی ہے، ایک ایسی صفت جو ہر نیکی کے کام کو محیط ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ متعدد صورتوں کا ذکر ہم مندرجہ بالا سطور میں کر چکے ہیں۔ اخلاقِ حسنہ درحقیقت صفاتِ الٰہی کا سایہ ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((حُسْنُ الْخُلُقِ خُلُقُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ)) (الطبرانی) یعنی خوش خلقی اللہ تعالیٰ کا خلقِ عظیم ہے۔ وہی اخلاق اچھے ہیں جو ربانی صفات کا عکس ہیں۔ اہل ایمان کو ان صفاتِ عظیمہ کا عکاس ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے پایاں احسانات ہیں۔ قرآن نے کہا:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾﴾ (ابرٰهيم)

''اور اگر اللہ کے احسان گنو تو پورا نہ گن سکو گے، بے شک انسان بے انصاف (اور) ناشکرا ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا شکر کہ اس نے کسی سعی و سفارش کے بغیر ان کو قید خانہ سے نجات دی اور ان کے ماں باپ اور بھائیوں کو مصر لے آیا، ان لفظوں میں ادا کرتے ہیں:

﴿...... وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ﴾ (یوسف: ۱۰۰)

''اور اللہ نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید خانہ سے باہر لایا اور آپ لوگوں کو گاؤں سے یہاں لے آیا۔''

قارون کی قوم نے اس کی مالی وسعت کے پیش نظر اس سے یہ اخلاقی مطالبہ کیا تھا

کہ: ﴿وَاَحۡسِنۡ کَمَا اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَیۡکَ﴾ (القصص:۷۷) ’’اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا تو بھی (اَوروں کے ساتھ) احسان کر‘‘۔

لفظ احسان کے نہایت ہی ہمہ جہت اور وسیع معنوں کا اقتضاء یہ ہے کہ تمام اعمال و افعال میں اس حسن کو بروئے کار لایا جائے۔ قرآن نے اس مفہوم میں ’’معروف‘‘ کا لفظ بھی استعمال کیا ہے‘ یعنی ہر وہ چیز جس کی خوبی عقلاً و شرعاً معلوم ہو‘ وہ معروف میں داخل ہے۔ ﴿وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ﴾ (الاعراف:۱۹۹) اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((کُلُّ مَعۡرُوۡفٍ صَدَقَةٌ))(۴) یعنی ہر نیکی ثواب کا کام ہے۔ قصور واروں کے قصور کو معاف کرنا اور ان کے مقابلہ میں غصہ کو پی جانا بھی احسان ہے۔ اس صفت سے جو متصف ہو وہ خدا کے محبوب بندوں میں شامل ہے۔ فرمایا:

((وَاللّٰهُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ﴿۱۳۴﴾)) (آل عمران)

’’اور اللہ ان محسنوں (یا نیکی کرنے والوں) کو پیار کرتا ہے‘‘۔

احسان کے لیے قرآن مجید میں ’’فضل‘‘ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ اگر کوئی منکوحہ سے خلوت کیے بغیر اس کو طلاق دے دے تو شوہر پر نصف مہر واجب ہوتا ہے۔ یہ تو قانونی صورت ہے‘ مگر اخلاقی حکم یہ ہے کہ یا تو عورت اس نصف کو بھی معاف کر دے اور کچھ نہ لے تو یہ عورت کا حسن خلق ہے اور یا شوہر پورا ادا کر دے اور آدھا کاٹے نہیں تو یہ مرد کا حسن خلق ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ﴿۲۳۷﴾﴾ (البقرة)

’’اور آپس میں فضل کو مت بھولو۔ بے شک اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔‘‘

اسلام نے دوسروں کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنے کو کسی خاص مفہوم میں محدود نہیں کیا‘ بلکہ اس کو نیکی کی ہر راہ میں وسیع کر دیا ہے‘ اور یہ طرزِ عمل کہ جو میرے ساتھ احسان کرے میں اسی کے ساتھ احسان کروں گا‘ یہ آپ ﷺ کی تعلیمات کے منافی ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا کہ ’’یارسول اللہ! میں کسی شخص کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ میری مہمانی نہیں کرتا تو کیا جب اس کا گزر مجھ پر ہو تو میں بھی اس کی کج خلقی کا بدلہ یہی دوں؟‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’نہیں‘ تم اس کی مہمانی کرو‘‘۔ (جامع ترمذی)

---

(۴) صحیح البخاری‘ کتاب الادب‘ باب کل معروف صدقة۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الزکاة‘ باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف۔

ایک دفعہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کے ساتھ کوئی عمل بتائیے! آپؐ نے فرمایا: ''جو روزی خدا نے دی ہے اس میں سے دوسروں کو دے''۔ عرض کی: اے خدا کے رسول! اگر وہ خود مفلس ہو؟ فرمایا: ''اپنی زبان سے نیک کام کرے''۔ عرض کی: اگر اس کی زبان معذور ہو؟ فرمایا: ''مغلوب کی مدد کرے''۔ عرض کی: اگر وہ ضعیف ہو مدد کی قوت نہ ہو؟ فرمایا: ''جس کو کوئی کام کرنا نہ آتا ہو اس کا کام کر دے''۔ عرض کی: اگر وہ خود ایسا ہی ناکارہ ہو؟ فرمایا: ''اپنی ایذا رسانی سے لوگوں کو بچائے رکھے''۔ (مستدرک حاکم، کتاب الایمان)

مختصراً ''احسان'' کے لفظ میں معانی کا ایک سمندر موجزن ہے، یہ بھلائی کے تمام تر مفاہیم کا احاطہ کیے ہوئے ہے، یہاں تک کہ اہل تصوف کے ہاں تصوف کی اصل احسان ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے کہ:

> ''علومِ احسان و یقین کہ آج کل تصوف کے نام سے مشہور ہو گئے ہیں...... تصوف کی حقیقت جس کا نام عرفِ شرع میں ''احسان'' ہے''۔

تصوف کو احسان کہنے کی وجہ وہ حدیث ہے جو حدیث جبریلؑ کے نام سے معروف ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے بارے میں چند سوالات کیے تھے اور آپؐ نے جوابات دیے تھے۔ سوال و جواب کے ان الفاظ کا ہم اوپر کی سطور میں ذکر کر چکے ہیں۔ پوچھا گیا تھا: ''مجھے احسان کے بارے میں بتائیے!'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو (یہ کیفیت پیدا ہو کہ) وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے''۔ (ریاض الصالحین، بحوالہ مسلم شریف)

اخذ و استفادہ

- ☆ تفہیم القرآن، جلد اوّل و دوم
- ☆ قرآن کریم مع تفسیر، مولانا صلاح الدین یوسف
- ☆ ضیاء القرآن، جلد دوم
- ☆ معارف القرآن، جلد پنجم
- ☆ تفسیر عثمانی
- ☆ سیرت النبی، جلد ششم
- ☆ اربعین، ترجمہ و اضافات از ارشاد الرحمٰن
- ☆ اسلامی تصوف، از عروج قادری
- ☆ مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی

رزقِ حلال کی اہمیت اور فضیلت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور کی دولت سے نوازا ہے اور اسے اچھائی اور برائی میں تمیز کا ملکہ عطا کیا ہے۔ زندہ رہنے کے لیے خوراک کی ضرورت ہے اور خوراک کے حصول کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعۂ معاش اختیار کرنا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ہر شخص کو دیکھنا ہوگا کہ اُس کی آمدنی کس ذریعے سے آ رہی ہے۔ اگر روزی جائز ذرائع سے آ رہی ہے تو یہ بڑی خوش بختی ہے اور اگر ذریعۂ معاش ناجائز ہے تو روزی حرام ہوگی۔ اور جب حرام اور ناجائز روزی کے ذریعے خریدی ہوئی خوراک انسان کے پیٹ میں جائے گی تو اس سے اس کے جسم کی نشوونما ہوگی اور خون بنے گا' جس کا اثر یہ ہوگا کہ ایسا شخص روحانی صحت سے عاری ہوتا چلا جائے گا۔ وہ اخلاقی ضابطے پس پشت ڈال دے گا' برائی کرنا اس کے لیے آسان ہوتا جائے گا اور نیکی کے کام کرنا اور نیکی کے کاموں میں حصہ لینا اس کے لیے دشوار ہو جائے گا۔ وعظ و نصیحت کا اثر وہ قبول نہیں کرے گا۔ اس کے برعکس جو شخص حلال ذرائع سے روزی کمائے گا وہ روزی اس کے جسم میں صالح خون پیدا کرے گی' اُس کو برائیوں سے نفرت ہوتی جائے گی اور نیکی کے کاموں میں وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لے گا۔ اُس کے وجود میں نورانیت پیدا ہوگی جو اس کے کردار و عمل پر مثبت طور پر اثر انداز ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے محنت و مشقت کر کے کمائی ہوئی روزی کو بہترین روزی قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِنْ اَنْ یَاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ' وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاوٗدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ))(۱)

''بہترین روزی وہ ہے جو کوئی شخص اپنے ہاتھ کی محنت سے کمائے' اور اللہ کے نبی داوٗد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔''

کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ بہترین پیشہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ وَکُلُّ بَیْعٍ مَبْرُوْرٍ))(۲)

''وہ پیشہ جس میں آدمی اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کمائے اور بیع مقبول (یعنی وہ تجارت جو بددیانتی اور مکروفریب سے پاک ہو)۔''

ایک عربی مقولہ ہے: **تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا** یعنی چیزوں کی اہمیت اس وقت واضح ہوتی ہے جب ان کے متضاد سامنے آئیں۔ روشنی کی قدر معلوم کرنا ہو تو اُس شخص سے پوچھیے جو اندھیرے میں رہتا ہو اور اسے سورج کی روشنی نصیب نہ ہو۔ اسی طرح بہرے پن کے عارضہ میں مبتلا شخص ہی کانوں کی صحت کا قدردان ہوسکتا ہے۔ اگر حرام روزی کے نقصان اور اس کے منحوس اثرات کا ادراک ہو جائے تو انسان رزقِ حلال کی اہمیت سے واقف ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے واضح فرمودات ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ جَسَدٌ غُذِّیَ بِالْحَرَامِ)) (۳)

''جس بدن نے حرام مال سے پرورش پائی وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

جنت سے محرومی سے زیادہ بدنصیبی اور کیا ہوگی! جنت نہ ملی تو پھر جہنم ہے اور جہنم کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہنچ جائے گی۔ جہنم اللہ تعالیٰ کے غضب کی جا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَکُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ کَانَتِ النَّارُ اَوْلٰی بِہٖ)) (٤)

''وہ گوشت جس نے حرام سے پرورش پائی ہے، جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اور جس گوشت نے حرام مال سے نشوونما حاصل کی وہ دوزخ ہی کے لائق ہے۔''

حرام مال کے اثرات اس قدر بُرے ہوتے ہیں کہ حرام خور کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ بلکہ ناجائز آمدنی میں سے اگر صدقہ وخیرات کیا جائے تو وہ بھی قبولیت کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَکْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ فَیَتَصَدَّقُ مِنْہُ فَیُقْبَلُ مِنْہُ وَلَا یُنْفِقُ مِنْہُ فَیُبَارَکُ لَہٗ فِیْہِ وَلَا یَتْرُکُہٗ خَلْفَ ظَھْرِہٖ اِلَّا کَانَ زَادُہٗ اِلَی النَّارِ، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَمْحُوا السَّیِّئَ بِالسَّیِّئِ وَلٰکِنْ یَمْحُوا السَّیِّئَ بِالْحَسَنِ، اِنَّ الْخَبِیْثَ لَا یَمْحُوا الْخَبِیْثَ)) (٥)

''جو آدمی حرام مال کمائے اور صدقہ کرے وہ صدقہ اس سے قبول نہیں ہوتا اور نہ ایسے مال میں برکت رکھی جاتی ہے۔ اور جو شخص مرنے کے بعد حرام مال چھوڑ جائے وہ اس کے لیے دوزخ کا توشہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ برائی سے برائی کو دُور نہیں کرتا بلکہ برائی کو بھلائی سے دور کرتا

ہے (یعنی پاک مال سے گناہوں کو دور کرتا ہے) جبکہ ناپاک مال ناپاکی کو دُور نہیں کرتا۔''

کچھ ذرائع معاش جائز ہیں اور کچھ ناجائز' جبکہ کچھ پیشے ایسے ہیں جن کے جائز ہونے میں اشتباہ ہے۔ ناجائز آمدنی کے اثراتِ بد سے بچنے کے لیے ایسے مشتبہ ذرائع معاش کو بھی ترک کر دینا چاہیے' کیونکہ اگر وہ ذریعہ ناجائز ہوا تو کمائی حرام ہوگی جو اچھے اعمال کو غارت کر دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَاِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ وَبَیْنَھُمَا مُشْتَبِھَاتٌ لَا یَعْلَمُھُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ' فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُھَاتِ اسْتَبْرَاَ لِدِیْنِہٖ وَعِرْضِہٖ' وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُھَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ)) (٦)

''حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں' جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص شبہ والی چیزوں سے بھی پرہیز کرے گا وہ اپنے دین اور آبرو کو بچالے گا اور جو شخص شبہ والی چیزوں میں پڑے گا وہ حرام کے حدود میں جا گرے گا۔''

جب مشتبہ چیزوں سے بچنے کی اس قدر تاکید ہے تو جان لیجیے واضح حرام کمائی سے بچنا کس قدر ضروری ہے! یہی وجہ ہے کہ تقویٰ شعار لوگ حلال اور حرام کا بہت خیال رکھتے ہیں اور مشتبہ چیز کے بھی قریب نہیں جاتے۔ روایات میں ملتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام کوئی کھانے کی چیز لایا جس میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی کھالیا۔ بعدازاں غلام نے بتایا کہ میں ایامِ جاہلیت میں ایک شخص کو غیب کی باتیں بتایا کرتا تھا' حالانکہ میں اس فن سے اچھی طرح واقف نہ تھا لیکن میں اس کو فریب دیتا تھا' آج اس شخص سے میری ملاقات ہوئی اور اس نے مجھ کو یہ چیز دی اور یہ وہی چیز ہے جو آپؓ نے کھائی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے منہ میں ہاتھ ڈالا اور جو کچھ پیٹ میں تھا' قے کر کے نکال دیا۔ (٧)

حرام مال کی نحوست اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ وہ فرائض کی ادائیگی کو بھی کالعدم کر دیتی ہے۔ حرام کمائی سے خریدا گیا کپڑا پہن کر نماز پڑھیں تو وہ بھی قبول نہ کی جائے گی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اشْتَرٰی ثَوْبًا بِعَشْرَةِ دَرَاھِمَ وَفِیْہِ دِرْھَمٌ حَرَامٌ ' لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ لَہٗ صَلَاةً مَا دَامَ عَلَیْہِ)) ثُمَّ اَدْخَلَ اُصْبُعَیْہِ فِیْ اُذُنَیْہِ ثُمَّ قَالَ صُمَّتَا اِنْ لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُہٗ(٨)

''جو شخص ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان میں ایک درہم حرام مال کا ہو تو اللہ تعالیٰ اُس وقت تک اُس شخص کی نماز قبول نہیں فرمائے گا جب تک یہ کپڑا اس کے جسم پر ہو''۔ یہ کہہ کر ابن عمرؓ نے اپنے دونوں کانوں کے سوراخوں میں انگلیاں داخل کر کے کہا:

''یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر یہ الفاظ میں نے نبی کریم ﷺ سے نہ سنے ہوں''۔

حرام کمائی کے ذرائع میں سود' جوا' ڈاکہ' چوری' جھوٹ بول کر یا دھوکہ دے کر نفع کمانا' کم تولنا' عیب دار چیز کا عیب چھپا کر بیچنا' ذخیرہ اندوزی' ناپاک اور حرام چیزوں کی خرید و فروخت کرنا' ملاوٹ کرنا' تنخواہ دار کا معاہدے کے مطابق فرض ادا نہ کرنا' امانت میں خیانت کرنا' جسم فروشی' گانے بجانے کی کمائی اور رشوت وغیرہ شامل ہیں۔ آج وہ زمانہ ہے کہ حلال اور حرام کی تمیز اٹھ گئی ہے۔ جہاں سے بھی مال ملتا نظر آتا ہے انسان اسی طرف چل پڑتا ہے۔ والدین اپنی اولاد کے لیے پیشے کا انتخاب کرتے وقت حرام اور حلال کمائی کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ ان کی نگاہ زیادہ سے زیادہ مال کمانے کی طرف ہوتی ہے۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ روزی رساں تو خود اللہ ہے۔ اگر جائز ذرائع اختیار کریں تو بھی وہ دے گا اور اگر ناجائز ذرائع اپنائیں تو بھی وہ دے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان کتنا مبنی بر حقیقت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ)) (۹)

''لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ مال میں سے جو چیز آدمی کو ملے گی وہ اس چیز کی پرواہ نہ کرے گا کہ یہ حلال ہے یا حرام۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں واضح طور پر فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾(البقرة:۱۷۲)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کھاؤ پاک روزی میں سے جو ہم نے تم کو دی''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا' وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝﴾ وَقَالَ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ

اِلَی السَّمَاءِ یَارَبِّ یَارَبِّ! وَمَطْعَمُہٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُہٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُہٗ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ' فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ!)) [۱۰]

''اللہ تعالیٰ پاک ہے' وہ صرف پاک چیزوں کو قبول کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو بھی اسی چیز کا حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ''اے رسولو! کھاؤ پاک چیزوں میں سے اور نیک کام کرو' اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب دیکھ رہا ہے''۔ اور فرمایا: ''اے اہل ایمان! کھاؤ پاک کھانوں میں سے جو ہم نے تم کو دیے ہیں''۔ پھر ذکر کیا آپؐ نے ایک شخص کا جو طویل سفر کرتا ہے (مثلاً حج کے لیے)' اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں' وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلاتا ہے اور کہتا ہے اے پروردگار' اے پروردگار! (مجھ کو یہ چیز دے' مجھ کو فلاں شے دے)' حالانکہ کھانا اس کا حرام کا ہے' پینا اس کا حرام کا ہے' لباس اس کا حرام کا ہے اور حرام ہی میں اُس نے پرورش پائی ہے' پھر اس شخص کی دعا کیونکر قبول کی جائے!''

رزقِ حلال کی تلاش انسان پر فرض ہے تاکہ اس کے نیک اعمال قبول ہوں' برائیوں سے اسے نفرت ہو اور اس کا دل اچھے کاموں کی طرف مائل ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حلال روزی کے لیے جدوجہد کو فرض قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ)) [۱۱]

''فرض کے بعد حلال کمائی کی تلاش بھی فرض ہے''۔

لمحۂ فکریہ ہے کہ حلال و حرام کی تمیز ختم ہوتی جارہی ہے۔ بجلی چوری کا سلسلہ جاری ہے جبکہ اسی روشنی میں نمازیں بھی ہو رہی ہیں اور تلاوت بھی۔ چوری کے پانی سے فصلیں اگائی جارہی ہیں اور اُن کی پیداوار کھائی جارہی ہے۔ جب حرام کمائی کے کپڑے میں نماز قبول نہیں ہوتی تو چوری کے پانی کے ساتھ وضو کیسے صحیح ہوگا اور ناجائز پانی سے سیراب کیے ہوئے کھیت کی فصل کیسے جائز ہوگی! اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ پوری زندگی تقویٰ کی بنیاد پر گزاری جائے' یعنی مؤمن کی نظر ہمہ جہت ہو۔ وہ ہر وقت اس فکر میں ہو کہ اُس سے کوئی ناجائز کام سرزد نہ ہو جائے' کسی کا حق اُس پر نہ رہ جائے۔ صرف نماز روزہ کافی نہیں' بلکہ پورے طور پر اسلام میں داخل ہونا مطلوب ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾ (البقرۃ:۲۰۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ''۔

یہ تو یہودیوں کا وطیرہ تھا کہ وہ اپنی متبرک کتاب کے کچھ حصوں پر ایمان رکھتے تھے اور کچھ کا انکار کرتے تھے۔ مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور اللہ کے احکام پر چلنے کا پابند ہے اور یہ پابندی وہ دل کی آمادگی کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ پس یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ ہم حلال اور حرام کی تمیز کریں' تلاشِ روزگار میں محتاط رویہ اختیار کریں' کسب معاش کے صرف وہ ذرائع اپنائیں جو جائز ہوں اور ان میں کسی دوسرے کی حق تلفی کا اندیشہ نہ ہو۔

حرام اور ناجائز کمائی رشوت کی صورت میں ہو یا دھوکے فریب کی تجارت مثلاً ملاوٹ' ذخیرہ اندوزی' سود یا جوئے وغیرہ کی صورت میں' اس میں دوسروں کے حقوق تلف ہوتے ہیں اور حقوق العباد کی تلفی نری ہلاکت ہے' کیونکہ روزِ جزا حق داروں کو ان کا حق دلوایا جائے گا۔ حقوق غصب کرنے والوں کے پاس پائی پیسہ تو ہوگا نہیں' چنانچہ ان کی نیکیاں (اگر کوئی ہوں) حق داروں کو دے کر اُن کو مطمئن کیا جائے گا۔ اگر ان کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو حق داروں کے گناہ ان کے کھاتے میں ڈال کر حق داروں کو انصاف مہیا کیا جائے گا۔ پس حرام خوروں کو اُس وقت پتا چلے گا کہ وہ کس قدر مہلک مشاغل میں لگے رہے ہیں۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ نیکوکار لوگ جو حقوق العباد کے معاملے میں محتاط نہیں رہے ہوں گے' وہ حقوق کی ادائیگی میں اپنی نیکیاں دے کر بلکہ دوسروں کے گناہ اپنے سر لے کر سزا کے حق دار ہو جائیں۔ ایسے ہی لوگوں کو حدیث میں (حقیقی) مفلس قرار دیا گیا ہے۔ پس حقوق العباد کے سلسلہ میں جس قدر بھی احتیاط ہو سکے کرنا چاہیے۔

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب البیوع' باب کسب الرجل وعمله بیده۔

(۲) مسند احمد۔ (۳) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔

(٤) مسند احمد۔ والدارمی' کتاب الرقاق' باب فی اکل السحت۔ والبیهقی فی شعب الایمان۔

(٥) مسند احمد۔ وشرح السنة۔

(٦) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب فضل من استبرأ لدینه۔ وصحیح مسلم' کتاب المساقاة' باب اخذ الحلال وترك الشبهات۔

(۷) صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب ایام الجاهلیة۔ (۸) مسند احمد۔

(۹) صحیح البخاری' کتاب البیوع' باب من لم یبال من حیث کسب المال۔

(۱۰) صحیح مسلم' کتاب الزکاة' باب قبول الصدقة من الکسب الطیب وتربیتها۔

(۱۱) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔

*

1

''درودِتاج'' اوراس کی حقیقت

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

سرورِکونین' رسولِ مقبول حضرت محمدﷺ (رُوحِیْ فِدَاہُ) محبوبِ خدا ہیں' ہم سب مسلمانوں کے محبوب ہیں' آپﷺ کی نبوت پر ایمان رکھنا ہمارے ایمان کا ایک جزء ہے۔ ''لا الٰہ الاّ اللہ'' کے ساتھ ''محمدٌ رسول اللہ'' کہے بغیر ہمارا ایمان مکمل نہیں ہوتا' اور نہ ہی کوئی مسلمان کہلایا جا سکتا ہے۔ آپﷺ پر اللہ اور اس کے فرشتے صلاۃ وسلام بھیجتے ہیں۔ سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۶ میں یہ بات کہی گئی ہے' اور اس کے ساتھ ہی ہم اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ: ﴿صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ ''ان پر صلاۃ وسلام بھیجتے رہو''۔ یعنی درود پڑھتے رہو۔ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ بِهَا عَشْرًا)) (مسلم والترمذی)

''جو کوئی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اُس شخص کی ناک خاک آلود ہوگئی (وہ خائب وخاسر ہوا) جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اُس نے مجھ پر درود نہ بھیجا۔ اور اُس شخص کی ناک خاک آلود ہوگئی جس کی زندگی میں رمضان آیا' مگر اس سے پہلے کہ اس کی مغفرت کا فیصلہ ہو جاتا' چلا گیا۔ اور اُس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہوگئی جس نے اپنے پاس اپنے والدین کو (یا ان دونوں میں سے ایک کو) بڑھاپے کی حالت میں پایا' مگر انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہ کرادیا''۔ (ترمذی واحمد)

نبی اکرمﷺ نے سب مسلمانوں کو مختلف احادیث کے ذریعہ یہ سکھا دیا ہے کہ اس صلاۃ (درود) کے الفاظ کیا ہونے چاہئیں۔ ان میں سب سے زیادہ مقبول وافضل درود وہ ہے جو آپﷺ نے نماز کے خاتمے پر التحیات پڑھنے کے بعد بتایا ہے اور جسے ہم سب نماز میں

پڑھتے ہیں، یعنی درودِ ابراہیمی۔ انہی احادیث میں مذکور درودوں میں سے ایک مختصر درود ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ

اور مختصر ترین درود ہے: **صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یا عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ**

آنحضورﷺ کا نام لینے اور سننے پر کوئی شخص ایک بار اِن دونوں مختصر درودوں میں سے ایک درود پڑھے یا کہے تو کفایت کر جاتا ہے۔ زیادہ ثواب کمانا ہو تو درودِ ابراہیمی پڑھے۔

لیکن یہ خیال رہے کہ کلمۂ شہادت جو ایک مسلمان کو ادا کرنے کا حکم ہے اور جس کی سچے دل سے ادائیگی کے بعد ہی ایک غیر مسلم اسلام میں داخل ہوتا ہے، اس میں **اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ** کے بعد **وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُـہٗ** کے الفاظ ہیں۔ اس میں آپﷺ کے نام کے ساتھ ''**عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُـہٗ**'' آیا ہے۔ یعنی آپ اللہ کے بندے اور اُس کے پیغمبر ہیں۔ قرآن کریم کے مختلف مقامات پر بھی آپﷺ کو ''**عبد**'' کہا گیا ہے۔ سورۃ العلق میں ارشاد ہوا: ﴿**اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی⑨ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی⑩**﴾ ''کیا تم نے دیکھا اس کو جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھ رہا تھا؟'' تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں دوسری آیت میں لفظ ''**عَبْدًا**'' رسول اللہﷺ کے لیے آیا ہے اور اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب ابوجہل نے ایک مرتبہ نبی مکرمﷺ کو کعبہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ ''اگر آئندہ میں نے تمہیں نماز پڑھتے دیکھا تو گردن دبا دوں گا''۔ اس کے بعد بالفعل وہ آپﷺ کو سجدہ کی حالت میں دیکھ کر برے ارادے سے آپ کی طرف بڑھا تھا، لیکن پھر فوراً ہی الٹے پاؤں واپس آ گیا تھا۔ کعبہ کے آس پاس بیٹھے ہوئے کافروں نے اس سے پوچھا ''تجھے کیا ہو گیا، تو تو محمدؐ کی گردن دبانے گیا تھا؟'' تو کہنے لگا کہ ''ایک بڑا خوفناک نراونٹ اپنا منہ کھولے ہوئے میری طرف اس طرح آیا کہ میں اگر ایک قدم بھی اور بڑھاتا تو وہ میرا سر اپنے منہ میں رکھ کر چبا جاتا''۔ تفسیر و سیرت کی تمام کتابوں میں یہ واقعہ مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں موجود ہے۔

اسی طرح سورۃ الجن کی آیت ۱۹ میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپﷺ کو ''**عَبْدُ اللّٰہ**'' کہہ کر یاد کیا ہے: ﴿**وَّاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا⑲**﴾ ''اور یہ کہ جب کھڑا ہوتا (نماز میں) اللہ کا بندہ اس کو پکارتا (عبادت کرتا) ہوا تو وہ اس کے خلاف (حرکت کے لیے) سب جمع ہو جاتے''۔ اس آیت کریمہ میں بھی سب مفسرین کے مطابق ''**عَبْدُ اللّٰہِ**'' آپﷺ کے لیے استعمال ہوا ہے۔

*

کلمۂ شہادت، التحیات، درود کے مستند صیغے اور مختلف آیاتِ قرآنی سے ثابت ہو گیا کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ اشرف المرسلین اور خاتم النبیین ہونے کے ساتھ ساتھ ''اللہ کے بندے'' تھے، لیکن سب بندوں سے افضل: سَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ ۔ اس طویل تمہید کا مقصود یہ ہے کہ کوئی بھی درود پڑھتے وقت ہمیں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے جس کی ہم کلمۂ شہادت میں گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔

انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ''درودِ تاج'' جس کو عوام بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں، اور جس کو عربی زبان سے نابلد بعض نام نہاد خواص بھی گا گا کر پڑھتے ہیں، وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے، بلکہ اس میں ایک مشرکانہ جملہ ہے: دَافِعُ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحطِ وَالْمَرَضِ وَالْاَلَمِ یعنی آپ ﷺ مصیبت، وبا، قحط، مرض اور دکھ درد کو دور کرنے والے ہیں۔ اگر لوگ اس جملے کے معنی سمجھتے ہوتے اور قرآن کی ان آیات کا علم بھی ان کو ہوتا جو نبی مکرم ﷺ سے متعلق ہیں تو وہ ہرگز یہ درود نہ پڑھتے جس کو اس کے شروع میں لفظ تاج ''صاحب التّاج'' آنے کے سبب درودِ تاج کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ الاعراف کی آیت ۱۸۸ کے الفاظ ہیں:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ج وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ج اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾﴾

''(اے نبیؐ!) کہہ دیجیے کہ میں اپنے لیے کسی نفع ونقصان پر قادر نہیں ہوں سوائے اس کے جو اللہ چاہے، اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں ساری بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی، میں تو صرف تنبیہہ کرنے اور خوشخبری دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔''

اور سورۂ یونس کی آیت ۱۰۷ کے ابتدائی جملے میں آنحضور ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ﴾ (یونس)

''اور اگر آپ کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کو دور کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں۔''

ان انتہائی واضح آیات کے موجود ہوتے ہوئے کوئی کس طرح رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ بات کہہ سکتا ہے کہ ''آپ مصیبت، وبا، قحط، مرض اور دکھ درد کو دور کرنے والے ہیں''؟ اور سورۃ الاعراف کی متذکرہ بالا آیت میں تو آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ سب

لوگوں سے کہہ دیجیے کہ میں خود کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا' یہ تو اللہ کے بس میں ہے' وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

سیرت نبویؐ پڑھنے اور لکھنے والے جانتے ہیں کہ طائف میں دعوتِ توحید دینے پر کافروں نے آپ ﷺ کو اتنے پتھر مارے کہ آپؐ کے پاؤں مبارک خون سے بھر گئے' اور پھر مدینہ میں غزوۂ اُحد کے موقع پر آپ ﷺ سخت زخمی ہوئے' آپؐ کا چہرۂ مبارک لہولہان تھا' دندانِ مبارک شہید ہوگئے تھے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ بیمار بھی ہوئے' گھوڑے سے گرنے کے بعد آپ کو ہڈی کی اتنی تکلیف پہنچی تھی کہ آپ صاحبِ فراش رہے۔ جس مرض میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس میں بھی آپؐ کو سخت تکلیف تھی' حتیٰ کہ تکلیف کے مارے آپؐ پر غشی کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔

اس صورت میں رسول اکرم ﷺ نہ خود کو زخمی ہونے سے بچا سکے اور نہ بیماری اور اس کی تکلیف سے' تو پھر دوسروں کی ہر تکلیف' مرض اور درد والم آپؐ کس طرح دُور فرما سکتے ہیں؟ یہ اور بات ہے کہ معجزانہ طور پر آپ ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر اپنے لعابِ دہن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھوں کو ٹھیک کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے مختلف لوگوں کو علاج کے لیے مختلف دوائیں بتائیں اور یہ بھی فرمایا: ((مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ دَوَاءً)) (ابن ماجہ و احمد) ''اللہ نے جو کوئی بیماری پیدا کی ہے تو اس کی دوا بھی پیدا کی ہے''۔ سوائے مرض موت کے۔ دوا کرنے کا آپ ﷺ نے حکم بھی دیا ہے۔ شہد اور کلونجی کو آپ ﷺ نے بہت سے امراض کی شفا بتایا ہے۔ مریض کے پاس جا کر آنحضور ﷺ اللہ تعالیٰ ہی سے اس کی شفا کے لیے دعا مانگتے تھے۔ آپ ﷺ کی مشہور دعا ہے:

((اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لاَ شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُکَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا)) (متفق علیه)

علاوہ ازیں اس درودِ تاج کی عربی بھی کئی جگہ غلط اور مہمل ہے۔ راقم الحروف برسوں تک عرب ممالک میں عربی پڑھنے اور مختلف عرب ممالک کی یونیورسٹیوں میں اسلامی علوم پڑھانے اور عربی زبان میں متعدد تصانیف کے بعد کہتا ہے کہ اس نام نہاد افضل درود کا مصنف عربی زبان کی شُد بُد تو رکھتا تھا لیکن اس سے پوری طرح واقف نہ تھا۔ اگر وہ اچھی عربی جانتا ہوتا تو یہ کبھی نہ لکھتا: ''وَالْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُهٗ وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُهٗ'' کہ یہ مہمل اور لغو جملے ہیں۔

*

اس کے آخر میں ''یَا اَیُّھَا الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِہٖ'' بھی غلط ہے' ہونا چاہیے اَلْمُشْتَاقُوْنَ اِلٰی جَمَالِہٖ' کیونکہ عربی زبان میں اِشْتَاق کے بعد صلہ اِلٰی آتا ہے ب نہیں۔

یہ تو اس درودِ تاج کی بعض بہت موٹی اور نمایاں اغلاط ہیں' لیکن اگر گہری نظر سے اس کا جائزہ لیا جائے تو اس کا پہلا جملہ ہی غلط' بلکہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایک طرح سے گستاخی ہے۔ ''صاحب التاج'' دُنیوی بادشاہ سلامت ہوتے ہیں۔ آنحضور ﷺ تو اللہ کے نبی تھے' اور تاج و تخت کو مٹانے آئے تھے۔ شہنشاہِ ایران کسریٰ تاج پہنتا تھا۔ اس کسریٰ پرویز کے بارے میں' جس نے آپ ﷺ کا دعوتِ توحید کا خط پھاڑا تھا' آپؐ نے فرمایا تھا: ((اِذَا ھَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ)) (ترمذی) ''یہ کسریٰ جب مر جائے گا تو پھر اس کے بعد کسی کسریٰ کا وجود نہ رہے گا''۔ اور چند سال کے بعد ایران کی اسلامی فتح کے بعد ایسا ہی ہوا۔ کسریٰ کا تاج جو مالِ غنیمت میں ملا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا' آپؓ نے اس کے ٹکڑے کرا کر مجاہدین میں تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا۔ اور جہاں تک عَلَم (جھنڈا) کا تعلق ہے یہ تو ہر چھوٹے بڑے حکمران کا ہوتا ہے۔

پھر اس میں ایک بڑی بدعقیدگی یہ ہے کہ: ''جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ'' کہہ کر اس سے آپ ﷺ کی عظمت و رفعت کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ بالکل الٹی سی بات ہے۔ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی عظمت آپ ﷺ کا نواسہ ہونے کی نسبت سے تھی' نہ یہ کہ آپ ﷺ کو ان کے نانا ہونے کی وجہ سے ناموری حاصل ہوئی۔

درود و سلام کی جو متعدد مستند کتابیں قدیم و جدید عربی اور اردو میں ہیں' جیسے قاضی عیاض اور سخاوی کی تصنیفات اور اردو میں رشید اللہ یعقوب کی کتاب ''اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَحْمَۃٍ لِّلْعَالَمِیْنَ'' اور حبیب البشر الخیری کی ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ'' ان کتابوں میں خود رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے اور بعض صحابہؓ و تابعینؒ وائمہ دینؒ کے مرتب کردہ دسیوں درود لکھے ہوئے ہیں' لیکن ان میں درودِ تاج کا کہیں ذکر نہیں۔ یہ دونوں کتابیں انتہائی نفیس طریقے پر اور پوری تحقیق کے ساتھ چھاپی گئی ہیں۔ ''اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَحْمَۃٍ لِّلْعَالَمِیْنَ'' زیادہ علمی اور مستند کتاب ہے اور کراچی میں چھپی ہے' دوسری کتاب بمبئی (انڈیا) میں چھپی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس درودِ تاج کو اتنی شہرت اور رواج کیسے حاصل ہو گیا؟ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کے مصنف نے' جو پاکستان کے مشہور عالم مولانا جعفر شاہ پھلواروی کی

تحقیق کے مطابق' کوئی ہندوستانی شخص تھا' مقفٰی و مسجع نثر استعمال کی ہے' لوگ اس کو لحن سے گا گا کر پڑھتے ہیں اور اس تُک بندی سے مسحور ہوتے ہیں۔ اکثر لوگوں کو عربی تو آتی نہیں کہ سمجھیں کہ اس میں کیا غلط باتیں ہیں اور اس کی زبان ہی کتنی غلط ہے!

یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ درود تاج مشہور فارسی شاعر شیخ سعدی شیرازیؒ کا تصنیف کردہ ہے۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ شیخ سعدی جو ساتویں صدی کے انتہائی اعلیٰ پایہ کے شاعر و نثر نگار تھے اور جن کی دو کتابیں گلستان (نثر) اور بوستان (نظم) صدیوں سے ایران و برصغیر میں پڑھائی جاتی ہیں' عربی بھی بخوبی جانتے تھے۔ گلستان میں بیسیوں فارسی حکایات میں انہوں نے جو عربی کے جملے اور سطور لکھی ہیں' وہ بالکل صحیح عربی ہے۔ اسی طرح کلیاتِ سعدی (مطبوعہ ایران) میں ان کا ایک عربی نثر میں رسالہ ہے جو بہت فصیح عربی میں ہے۔ اگر یہ درود تاج ان کی تصنیف ہوتا تو ان کے زمانے کے بعد برصغیر و مصر وغیرہ میں درود و سلام کے متعلق جو کتابیں' جن میں ایک قدیم کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی جذب القلوب (فارسی) ہے' جس کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے' اس میں یا دیگر فارسی و عربی کتب میں اس درود کا ذکر ضرور ہوتا۔

حقیقت یہی ہے' جیسا کہ مولانا جعفر شاہ پھلواروی نے اپنے ایک پمفلٹ میں اور ان سے پہلے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کہیں لکھا ہے' یہ کسی ہندوستانی کا سوڈیڑھ سو سال پہلے لکھا ہوا درود ہے جس کو ٹھیک سے عربی زبان بھی نہیں آتی تھی اور جس کا عقیدہ بھی درست نہیں تھا۔ اُس نے یہ درود تصنیف کیا ہے' اس میں جو صریحی شرکیہ کلمات ہیں اس کی وجہ سے اس کو پڑھنا صحیح نہیں۔ نعت خواں اور میلاد خواں عام طور پر یہ درود پڑھتے ہیں۔ ان کو عربی زبان اور دین کا گہرا علم نہیں ہوتا' اس لیے ان کی تقلید کرنا درست نہیں' بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ درود تو کثرت سے پڑھیں' اس میں بہت فضائل ہیں اور بہت ثواب ہے۔ بس وہ درود پڑھنے چاہئیں جو رسول اللہ ﷺ نے بتائے ہیں یا بعض صحابہؓ سے روایت ہیں۔ انہی میں ایک چھوٹا سا مسنون درود ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ پھر ایک دوسرا زیادہ مکمل مختصر درود ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ پھر ذرا بڑا درود ''درود ابراہیمی'' ہے جو نماز میں حضور ﷺ نے خود داخل کیا ہے۔ یہ سب سے افضل ہے' اس میں آپ ﷺ کا نامِ نامی چار مرتبہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سچی محبت اور اتباع نصیب فرمائے۔ آمین! oo (میثاق، نومبر 2008ء)

افکار و آراء

مسجد کے مقام کی بحالی

عطاء الرحمٰن

مساجد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہی مخصوص نہیں، بلکہ یہ مسلمانوں کا سیاسی، ملی، فوجی اور تربیتی مرکز بھی ہوتی ہیں۔ مسجد نبویؐ میں جہاں ایک طرف دین و دنیا کے سارے قوانین مرتب ہوتے تھے وہاں دوسری طرف جہاد کے لیے فوجیں بھی یہاں سے روانہ ہوتیں اور وفود یہاں اترتے۔ عدالت نبویؐ یہیں تھی، اس کا چبوترہ (صفہ) ایسی یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا تھا جہاں فنی اور غیر فنی ہر طرح کی تعلیم مفت دی جاتی تھی۔ نیز اخلاقی و روحانی اور دینی تربیت کے سارے مراحل رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں طے ہوتے تھے۔ مسجد کی مختلف حیثیتوں پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا مقصد اُمت سے انتشار کو دور کرنا اور فکر و عقیدہ کے مطابق مسلمانوں کی ملی اور اجتماعی شیرازہ بندی کرنا ہے۔ اس کے علاوہ چند مختصر مصالح اور مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قوم و ملت کی صف بندی۔

(۲) قوم کے بہترین لوگوں کو دین میں بھی سرداری پر فائز کرنا۔

(۳) رائے عامہ معلوم کرنے کا مرکز بنانا۔

(۴) عوام کو حکومت و سیاست، دین و عبادت اور نظامِ معاشرت کے طور طریقے سکھانا اور انہیں نشیب و فراز سے آگاہ کرنا۔

(۵) اہل محلّہ کے احوال اور حوادثِ تازہ سے واقفیت حاصل کرنا۔

(۶) جذبۂ محبت واخوت کو فروغ دینا۔

(۷) مسجدوں میں درس و تدریس کے نظام کو مضبوط کرنا۔

(۸) علم کے تقدس اور اساتذہ کے احترام کی نشو و نما کرنا۔

موجودہ صورت حال

(۱) آج معصوم بچے چند ٹکوں کی خاطر یا تو ہوٹلوں، فیکٹریوں اور ورکشاپوں میں ضائع

ms11-07

ہو رہے ہیں یا پھر مزاروں اور مصروف چوراہوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔

(۲) نسلِ نو کی ایک بڑی تعداد آوارہ گردی کی راہ پر گامزن ہو کر جرائم پیشہ افراد کے ہتھے چڑھ رہی ہے اور خود والدین بھی بے بس دکھائی دے رہے ہیں۔

(۳) نئی نسل جس تیزی سے مغربی افکار اور تہذیب سے متأثر ہو رہی ہے اس سے اسلام' قرآن اور مشرقی اقدار سے ان کی دوری میں اضافہ ہو رہا ہے۔

(۴) نوجوان وقت کا غلط استعمال کر رہا ہے۔ کسی بھی ویڈیو گیمز کی دکان پر جھانک لیجیے تو معلوم ہو گا کہ سات سال کے بچوں سے لے کر سترہ سال کے نوجوانوں تک یہاں اپنا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں واقع کسی بھی انٹرنیٹ کلب میں بنے ہوئے خفیہ خانوں میں جا کر دیکھ لیں کہ دورِ جدید کی اس عظیم نعمت کو پڑھی لکھی نسل کس قدر غلط طریقے سے استعمال کر رہی ہے!

(۵) عام لوگوں کی بڑی تعداد قرآن کے احکامات سے بے خبر ہے۔

محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ صبح کو انسان مسلمان ہو گا اور شام کو ایمان کی کیفیت سے دور ہو گا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس فتنہ کے دَور میں ہر مسجد میں ایک نظام ترتیب دیا جائے جس کے مقاصد اور پروگرام درج ذیل ہوں۔

مقاصد:

(۱) ہر عمر کے افراد کو قرآن کریم کی تعلیم دینا۔

(۲) قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت کا اہتمام کرنا۔

(۳) معاشرے کے عام افراد کے لیے ترجمہ قرآن' تجوید قرآن اور فہم دین کے ایسے کورسز کا اہتمام کرنا جن سے قرآن کریم کے پیغام کو مختصر وقت میں سمجھا جا سکے۔

(۴) علمائے کرام و مفکرین اسلام کے لیکچرز کا اہتمام کرنا۔

(۵) فرقہ واریت کے فتنوں سے بچتے ہوئے اُمت کو اتحاد کا درس دینا۔

تعلیم و تربیت کے لیے ہر مسجد میں درج ذیل شعبہ جات قائم کرنا بہت ضروری ہیں:

شعبہ جات

(۱) حفظ قرآن کریم (برائے طلبہ و طالبات) (بعد نماز فجر تا عشاء)

(۲) تین سالہ عالمہ کورس (برائے طالبات) (صبح ۹ بجے تا ۱۲:۳۰ بجے)

(۳) ناظرہ قرآن کریم (برائے طلبہ وطالبات) (بعد نماز فجر وعصر ایک ایک گھنٹہ)

(۴) تفہیم الاسلام سمر کیمپ (بعد نماز فجر دو گھنٹے)
(موسم گرما میں سکول کے طلبہ کے لیے)

(۵) فہم دین کورس (موسم گرما میں) (بعد نماز مغرب)

فہم قرآن وسنت پروگرام

(۱) ترجمہ قرآن کلاس (تعلیم بالغاں پروگرام) (روزانہ کسی وقت نصف گھنٹہ کے لیے)

(۲) ہفتہ وار درس قرآن (برائے مرد حضرات) (ہفتہ میں کسی دن پون گھنٹے کی نشست)

(۳) مطالعۂ حدیث (تعلیم بالغاں پروگرام) (روزانہ بعد نماز فجر یا عصر صرف دس منٹ)

(۴) ہفتہ وار درس قرآن کریم (برائے خواتین) (ہفتہ میں کسی دن پون گھنٹے کی نشست)

(۵) دورۂ قرآن کریم (برائے خواتین) (صبح ۱۰ بجے تا ۱۲ بجے)
(رمضان المبارک میں روزانہ)

خصوصیات برائے طلبہ ناظرہ قرآن کریم

(۱) طلبہ وطالبات کو صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن کریم پڑھانا۔

(۲) نماز اور اَدعیہ ماثورہ یاد کرانا۔

(۳) بچوں میں تقریری صلاحیتیں اجاگر کرنے کے لیے ہفتہ وار بزمِ اَدب کا انعقاد کرنا جس میں درج ذیل چیزیں بچوں کے ذہن میں راسخ کی جائیں:

(۱) توحید باری تعالیٰ کا قرآنی تصور۔

(۲) بچوں کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت۔

(۳) بچوں کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت۔

بچوں سے ذہنی آزمائش کے سوال کیے جائیں اور انعامات کے ذریعے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

انچارج بزم اَدب کے لیے ہدایات

(۱) طویل لیکچر دینے کی بجائے ڈسکشن کی صورت میں بچوں کو شریک کریں۔

(۲) تربیتی اسباق زیادہ تر سوال و جواب کی صورت میں منتقل کریں۔
(۳) ہمیشہ بچوں کی حوصلہ افزائی کریں۔
(۴) بچوں کو ہمیشہ مثبت سوچ دیں اور منفی سوچ سے گریز سکھائیں۔
(۵) آغاز میں بچوں کو اللہ کی رحمت کا اور پھر اس کی سزا و جزا کا تصور دیں۔
(۶) اپنی گفتگو میں ''نہیں۔No'' کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کریں۔
(۷) بچوں کو انعام سے نوازیں اور تعریفی کلمات بولیں۔
(۸) تلاوت' نعت اور تقریری مقابلوں میں بھی انعامات کے ذریعے حوصلہ افزائی کریں۔

خصوصیات برائے حفظ کلاس

(۱) بچے کو قرآن کریم کا حافظ اور اسلامی علوم کا محافظ بنانا تاکہ وہ اچھے برے کی تمیز کر سکے۔
(۲) ہر پارے کے اختتام پر اس پارے اور منزل کا خصوصی جائزہ اور نوافل میں سننے کا اہتمام کرنا۔
(۳) قرآن کریم کا تلفظ قابلِ رشک۔
(۴) بچوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھنا۔
(۵) حفظ قرآن کے بعد منزل کی پختگی کے لیے متشابہات قرآن کا منفرد کورس کرانا۔
(۶) عبادات کی عملی مشق کا اہتمام کرنا۔
(۷) تلاوت' نعت اور تقریری مقابلوں میں بھی انعامات کے ذریعے حوصلہ افزائی کرنا۔
(۸) ہر جمعۃ المبارک کو بچوں کے مابین مقابلہ حسن قراءت اور مقابلہ حسنِ اذان۔
(۹) فارغ ہونے والے بچوں کی مزید تعلیم و تربیت کے لیے عملی معاونت کرنا۔
(۱۰) ہر ہفتہ کے دن بچوں کے مابین تعلیمی مسابقہ کرانا۔

تفہیم الاسلام سمر کیمپ

موسم گرما میں سکول کے طلبہ و طالبات کے لیے ایک تربیتی کورس رکھا جائے جس کا نصاب درج ذیل ہو:

(۱) قرآن کریم کے تلفظ کی اصلاح اور تجوید کے ضروری قواعد۔
(۲) عقائد: اللہ تعالیٰ پر ایمان' ملائکہ' آسمانی کتب' رسولوں' آخرت اور تقدیر پر ایمان اور اِن کا فلسفہ۔

(۳) عبادات: کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔
(۴) اخلاقیات: آدابِ زندگی اور عمومی معاشرتی آداب۔
(۵) معاملات: ایک مسلمان بچے کے لیے چوبیس گھنٹے کی زندگی گزارنے کا طریقہ۔
(٦) سیرت النبیؐ: حضور ﷺ کے بچپن سے لے کر رحلت تک مبارک زندگی گزارنے کا طریقہ
(۷) قصص الانبیاء: قرآن کریم میں گزری ہوئی اقوام کی طرف بھیجے گئے دس مشہور انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی پر مبنی عبرت آموز واقعات۔
(۸) سیرت صحابہؓ: خلفائے راشدین کے واقعات۔
(۹) تاریخ اسلام: تاریخ اسلام کے مشہور فوجی سپہ سالار، علماء اور قائدین تحریک آزادی کے حالاتِ زندگی اور خدمات۔
(۱۰) بزمِ ادب: بچوں کی تقریری صلاحیتیں اُجاگر کرنا، تلاوت، نعت اور تقریری مقابلہ میں انعامات کے ذریعے حوصلہ افزائی۔

تفہیم الاسلام سمر کیمپ کے بعد بچوں میں جو تبدیلی لانے کی کوشش کی جائے:

(۱) قرآن کریم صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھیں۔
(۲) نماز اور اَدعیۂ مسنونہ یاد ہوں۔
(۳) سیرت النبی ﷺ پر زبانی عبور ہو۔
(۴) دس مشہور انبیاء کرام علیہم السلام کے قرآنی واقعات یاد ہوں۔
(۵) خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرت یاد ہو۔
(٦) فضول گھومنے پھرنے سے احتراز کریں۔
(۷) گھر میں والدین اور رشتہ داروں کی اطاعت کریں۔
(۸) مسجد سے لگاؤ پیدا ہو۔
(۹) نفاست اور صفائی کی طرف مائل ہوں۔
(۱۰) فضول خرچی سے گریز کریں۔

تین سالہ عالمہ کورس

بیٹیاں جو اپنے والدین کے گھر مہمان ہوتی ہیں، ان کو اپنے اصلی گھر روانہ کرتے ہوئے جو حقیقی تحفہ دیا جا سکتا ہے وہ دینی تعلیم و تربیت ہے۔ اس کے لیے ایک نصاب تجویز کیا گیا ہے

جس کی تفصیل درج ذیل ہے :(۱) ترجمۂ قرآن کریم (۲) مشکوٰۃ شریف (منتخب ابواب) (۳) فقہ النساء (۴) صَرف (تمرین الصرف) (۵) نحو (تمرین النحو) (۶) مبادی الترجمہ (۷) سیرت النبی ﷺ (۸) خطبات' دینیات (سید مودودیؒ)

فہم دین کورس (تعلیم بالغاں پروگرام)

ہر سال جون' جولائی میں فہم دین کورس کرایا جائے جس میں تجوید اور فہم قرآن کے علاوہ درج ذیل اہم موضوعات پر لیکچرز کرائے جائیں:

(۱) تجدید و احیائے دین' (۲) عصر حاضر کی اسلامی تحریکات' (۳) مذاہبِ عالم' (۴) کامیاب زندگی' (۵) اخلاصِ نیت' (۶) غیر سودی بینکاری' (۷) تعلق باللہ' (۸) زندہ ایمان' سیرت صحابہؓ' (۹) تزکیہ نفس' (۱۰) ذکر اور اس کی حقیقت' (۱۱) خدمت خلق کے ذریعے رضائے الٰہی کا حصول' (۱۲) انفاق فی سبیل اللہ' (۱۳) جدید مغربی افکار و اصطلاحات' (۱۴) مغربی تہذیب' (۱۵) رسول اکرم ﷺ کا طریقۂ دعوت و حبّ رسولؐ کے تقاضے (۱۶) وقت کا مؤثر استعمال' (۱۷) زبان کی آفتیں' (۱۸) شرک اور اس کے جدید مظاہر' (۱۹) تصورِ امانت' (۲۰) مطالعہ کیوں اور کیسے؟' (۲۱) کامیابی کا راستہ۔

ترجمۂ قرآن کلاس

یہ کلاس روزانہ بعد نماز عشاء ہوسکتی ہے۔ دو تین آیات روزانہ پڑھی جائیں' ہفتہ میں ایک دن حدیث کا مطالعہ کیا جائے تاکہ قرآن کریم کے ساتھ سنت رسولؐ سے ہمارا رشتہ مضبوط ہو۔

فہمِ قرآن پروگرام

ہفتہ میں ایک دن مرد اور خواتین کے لیے علیحدہ علیحدہ درس قرآن کی مجالس منعقد کی جائیں۔

دورۂ قرآن کریم (برائے خواتین)

رمضان المبارک میں روزانہ صبح دس تا بارہ بجے نماز تراویح میں پڑھے ہوئے قرآن کریم کے حصوں کا مطالعہ کیا جائے۔

اسلامک میڈیا لائبریری

پاکستان میں عریانی اور فحاشی پھیلانے کے لیے خوفناک منصوبے تیار کیے گئے ہیں۔

انٹرنیٹ کیفے میں غیر اخلاقی اور فحش ویب سائٹ استعمال کرنے کی ہر فرد کو اجازت ہے۔ کیبل ٹی وی پر فحش پروگرام دکھائے جاتے ہیں۔ میراتھن ریس، بسنت، ویلنٹائن ڈے اور دیگر خرافات کے نام پر مخلوط پروگرام کیے جاتے ہیں، فحاشی پھیلائی جاتی ہے اور عذابِ الٰہی کو دعوت دی جاتی ہے۔ ان خرافات کے تدارک کے لیے ہر مسجد میں اسلامک میڈیا لائبریری بنائی جائے جس کے مقاصد درج ذیل ہوں:

(۱) صاف ستھری اور بامقصد تفریح کا حصول

(۲) علم اور تعلیم کا فروغ

(۳) اقامت دین اور اشاعت اسلام کا جذبہ پیدا کرنا۔

اس لائبریری میں طلبہ اور نوجوانوں کو ایسی سی ڈیز دکھائی جائیں جن سے ان کی تعمیری سوچ بنے اور وہ اپنی زندگی کے مقصد کو سمجھ سکیں۔

اس پُرفتن دَور میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

آج اُمت مسلمہ تاریخ کے نازک موڑ پر کھڑی ہے۔ اس کے لیے راہِ نجات یہی ہے کہ بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو قرآن وسنت اور مسجد کے ماحول کے ساتھ وابستہ کر دیں۔

(۱) یہاں کتنے بوڑھے افراد ایسے ہیں جنہیں ابھی تک قرآن کریم صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا نہیں آتا۔

(۲) کم ہی نوجوان ایسے ہیں جو قرآن کریم پڑھنے سمجھنے کے ساتھ فہم دین بھی رکھتے ہیں۔

(۳) کم ہی بچے ایسے ہیں جو قرآن کریم کے ساتھ اسلام کی بنیادی باتیں جانتے ہیں۔

(۴) مسجد میں ہر سطح کے لوگوں کے لیے شعبہ جات قائم کیے جائیں، ان میں مرد و خواتین اور بچوں اور نوجوانوں کو قرآن وسنت کے بنیادی احکامات سمجھائے جائیں۔

(۵) تمام اخبارات ورسائل میں مسجد کے ساتھ تعلق مضبوط کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً مضامین اور اداریے شائع کراتے رہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی کے معروف سکالرز کو اس اہم موضوع پر گفتگو کا موقع دیں۔

❀❀❀